# بیوہ

(1)

کاشی کے آریہ مندر میں پنڈت امرناتھ کی تقریر ہورہی ہے، ناظرین مسحور سے بیٹھے ہوئے ہیں۔

پروفیسر دان ناتھ نے آگے کھسک کر اپنے دوست بابو امرت رائے کے کان میں کہا۔ ''رٹی ہوئی تقریر ہے۔''

امرت رائے اسپیچ (Speech) سننے میں محو تھے'اس کا جواب نہ دیا۔

دان ناتھ نے پھر کہا۔ ''صاف رٹی ہوئی تقریر ہے۔ یہاں بیٹھنا فضول ہے' ٹینس کا وقت نکلا جارہا ہے۔''

امرت رائے نے پھر بھی کچھ جواب نہ دیا۔ آخر دان ناتھ نے مایوسانہ انداز سے کہا۔

''بھئی میں تو جاتا ہوں۔''

امرت رائے نے ان کی طرف بغیر دیکھے ہی کہا۔ ''جاؤ شوق سے۔''

''تم کب تک بیٹھے رہوگے؟''

''میں تو آخر تک تقریر سن کر آؤں گا۔''

''بالکل بغلول ہو۔ آخر اس تقریر میں ہے کیا؟''

''تو تم جاؤ۔ میں تمہیں جبراً روکتا تو نہیں۔''

''ابھی گھنٹوں بولے گا۔ رانڈ کا چرخہ ہے یا تقریر ہے۔''

''سننے بھی دو' بیکار بک بک کر رہے ہو۔ تمہیں جانا ہو تو جاؤ' میں تقریر ختم کر کے ہی اٹھوں گا۔''

''پچھتاؤ گے۔ آج پریما بھی کھیلنے آئے گی۔''

''تم اس سے میری طرف سے معافی مانگ لینا۔''

''مجھے کیا غرض ہے کہ آپ کی طرف سے معافی مانگوں۔''

"اچھا نہ مانگنا۔ کسی صورت سے گلا تو چھوڑو۔"

دان ناتھ آسانی سے گلا چھوڑنے والے آدمی نہ تھے۔ گھڑی نکال کر دیکھی، پہلو بدلا اور بے صبری کے انداز سے پھر امرت رائے کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی توجہ تقریر کی طرف نہیں، مقرر کی داڑھی تھی۔ داڑھی کی جنبشِ پیہم میں انہیں بڑا مزا آ رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ بولتے رہنے کا مرض تھا۔ ایسا دلچسپ نظارہ دیکھ کر خاموش کیسے رہتے، امرت رائے کا ہاتھ دبا کر بولے۔ "آپ کی داڑھی کتنی صفائی سے ہل رہی ہے، جی چاہتا ہے نوچ کر رکھ لوں۔"

امرت رائے نے ملتذ ہو کر کہا۔ "تم بڑے بدنصیب ہو کہ ایسی دلآویز اور پُر اثر تقریر کا لطف نہیں اٹھا سکتے۔"

مقرر نے کہا۔ "میں آپ صاحبوں کے روبرو تقریر کرنے نہیں کھڑا ہوا ہوں۔"

دان ناتھ: (آہستہ سے) "اور کیا آپ گھاس کھودنے آئے ہیں۔"

مقرر: باتیں بہت ہو چکیں۔ اب عمل کا موقع ہے۔

دان ناتھ: (آہستہ سے) "جب آپ کی زبان آپ کے قابو میں رہے۔"

مقرر: جو اصحاب اپنی رفیقِ زندگی کا داغ اٹھا چکے ہیں، وہ براہ کرم اپنے ہاتھ اٹھائیں۔

دان ناتھ: (دبی زبان سے) اف واہ! یہاں تو آدھے سے زیادہ رنڈوے نکل آئے۔

مقرر: جو اصحاب اس خیال سے متفق ہوں کہ رنڈوؤں کو کنواریوں سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، وہ براہِ کرم اپنے ہاتھ اٹھائیں۔

صرف ایک ہاتھ اٹھتا ہے! یہ بابو امرت رائے کا ہاتھ ہے۔ اہل جلسہ ان کی طرف پُر سوال دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔

دان ناتھ نے امرت رائے کے کان میں کہا۔ "یہ کیا بے ہودہ حرکت ہے۔ ہاتھ نیچے کرو۔"

امرت رائے: میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالت میں اس سے بہتر دوسرا معاشرتی

اصول نہیں ہے۔

مقرر نے امرت رائے کو ان کی اخلاقی جرأت پر مبارکباد دی۔ چند جملوں میں ناظرین کی پست ہمتی پر افسوس کیا اور بیٹھ گئے۔ جلسہ ختم ہو گیا۔

اہلِ جلسہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ دان ناتھ بھی باہر چلے آئے مگر امرت رائے ابھی تک محویت کی حالت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دان ناتھ نے ایک منٹ تک باہر کھڑے ان کا انتظار کیا۔ تب اندر جا کر بولے۔ ''ارے تو اب چلو گے بھی یا یہیں ڈھئی دو گے؟''

امر رائے نے چونک کر کہا۔ ''ہاں ہاں چلو۔''

دونوں دوست آ کر موٹر پر بیٹھے، موٹر چل پڑی۔

دان ناتھ کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ پوچھا۔ ''آج تمہیں یہ کیا حماقت سوجھی؟''

امرت رائے نے تمسخر کے انداز سے جواب دیا۔ ''وہی جو تمہیں سوجھی۔''

''پریما سنے گی تو کیا کہے گی؟''

''بے حد خوش ہو گی۔ کم سے کم اسے خوش ہونا چاہیئے۔ اپنے احباب کو گرض کے سامنے سر جھکاتے دیکھ کر کون خوش نہیں ہوتا؟''

دان نے ملامت کی۔ ''اجی جاؤ بھی باتیں بناتے ہو۔ اسے تم سے کتنی محبت ہے یہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ابھی شادی نہیں ہوئی (حالانکہ تم خود اس کے ذمہ دار ہو) یہ درست ہے لیکن سارا شہر جانتا ہے کہ وہ تمہاری منگیتر ہے۔ سوچو اس کے اور تمہارے درمیان کتنی خط و کتابت ہو چکی ہے۔ وہ دل میں تمہیں اپنا شوہر تسلیم کر چکی ہے۔ ایسی نازنین دنیا کے پردے پر تمہیں نہ ملے گی۔ یہ سمجھ لو کہ تمہاری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ اپنے ساتھ اس کی زندگی بھی خراب کر دو گے۔ فرض کے نام پر جو چاہے کرو مگر پریما کو دل سے نہیں نکال سکتے۔''

امرت رائے متانت بولے۔ ''یہ سب میں خوب سمجھ رہا ہوں بھائی جان! لیکن میرا ضمیر کہہ رہا ہے کہ مجھے اس سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پنڈت امرناتھ کی تقریر نے میری آنکھیں کھول دیں۔''

امرناتھ کا نام آتے ہی دان ناتھ نے ناک سکوڑ کر کہا۔

''کیا کہنا ہے واہ! اس نے رٹ کر ایک تقریر کر دی اور تم لٹو ہو گئے۔ یہ اچھا اصول ہے کہ جس کی پہلی بیوی مر چکی ہو وہ کسی کنواری لڑکی سے شادی نہ کرے۔''

امرناتھ نہ کہا ''انصاف تو یہی کہتا ہے۔''

دان ناتھ بولے۔ ''تو بس ایک تمہارے انصاف پر چلنے سے تو قوم کی نجات ہو جائے گی۔ تم تنہا کچھ نہیں کر سکتے' ہاں نکو بن سکتے ہو۔''

امرت رائے نے پُر زور نظروں سے تاکتے ہوئے کہا۔ ''آدمی تنہا بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ تنہا آدمیوں نے خیالات میں انقلاب پیدا کر دیئے ہیں۔ دنیا کی صورت بدل دی ہے۔ افراد کی داستانِ عمل سے تاریخیں پُر ہیں۔ گوتم بدھ کون تھا۔ وہ تنہا حق کی تلاش میں نکلا تھا اور اس کے دورانِ حیات میں ہی آدھی دنیا اس کے قدموں پر سر جھکا چکی تھی۔ افراد کے نام سے قوموں کے نام روشن ہیں۔ قومیں تباہ ہو گئیں۔ آج ان کا نشان بھی باقی نہیں مگر مخصوص ہستیوں کے نام ابھی تک باقی ہیں۔ میں اکیلا کچھ نہ کر سکوں یہ دوسری بات ہے۔ اکثر جماعتیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔ میر خیال ہے کہ جماعتیں کبھی کچھ نہیں کر سکتیں لیکن آدمی اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ میں اس کلیے کو کبھی تسلیم نہ کروں گا۔''

دان ناتھ سہل پسند آدمی تھے۔ کسی اصول کے لیے تکلیف اٹھانا انہوں نے سیکھنا ہی نہ تھا۔ ایک کالج میں پروفیسر تھے۔ گیارہ بجے جاتے تھے' دو بجے لوٹ آتے تھے۔ باقی سارا وقت کتب بینی اور سیر و تفریح میں اڑا دیتے تھے۔

اس برعکس امرت رائے اصول پرور آدمی تھے اور بڑے دُھن کے پکے۔ ایک بار کوئی فیصلہ کر کے اس سے منحرف نہ ہوتے تھے۔ پیشہ وکالت تھا مگر اس پیشے سے انہیں نفرت

تھی۔ بنائے ہوئے مقدمے بھول کر بھی نہ لیتے تھے لیکن جو مقدمہ لے لیتے' اس کے لیے جان لڑا دیتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ انہیں ناکامی کا صدمہ بہت کم اٹھانا پڑتا تھا۔ ان کی پہلی شادی اس وقت ہوئی تھی جب وہ کالج میں پڑھتے تھے۔ ایک لڑکا بھی پیدا ہوا لیکن زچہ اور بچہ دونوں زچہ خانہ ہی میں داغِ مفارقت دے گئے۔ امرت رائے کو اپنی بہن سے بڑی محبت تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب کبھی شادی نہ کروں گا' لیکن جب بہن کی شادی ہوگئی اور والدین بھی ایک ہفتہ کے اندر ہیضہ کے شکار ہوگئے تو سونا گھر پھاڑ کھانے لگا۔ دو سال سیر و سیاحت میں بسر کیے۔ لوٹے تو ہولی کے دن ان کے سسر نے اس تقریب میں ان کی دعوت کی۔ وہ امرت رائے کے اطوار پر پہلے ہی سے فدا تھے۔ ان کی چھوٹی لڑکی پریما اب شادی کے قابل ہوگئی تھی۔ اس کے لیے امرت رائے سے بہتر شوہر انہیں دوسرا نظر نہ آیا۔ دو سال قبل امرت رائے نے پریما کو دیکھا تھا۔ وہ شگفتہ کلی اب ایک شگفتہ پھول تھی جس کی نزاکت اور لطافت آنکھوں کو لبھاتی تھی۔ امرت رائے کا غم نصیب دل یہاں سے محبت کا اثر لے کر لوٹا۔ جب طبیعت گھبراتی سسرال چلے آتے اور دو گھڑی ہنس بول کر چلے آتے ایک دن ان کی ساس نے ان سے مطلب کی بات کہہ دی۔ امرت رائے تو پریما کے رنگ و بُو پر پہلے ہی نثار تھے۔ اندھے کو جیسے آنکھیں مل گئیں۔ شادی طے ہوگئی۔ اس مہینے میں شادی ہونے والی تھی کہ آج امرت رائے نے عام جلسہ میں اس نئے اصول کو تسلیم کر کے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا۔

دان ناتھ نے ان کی لمبی تقریر سن کر کہا۔ ''تو تمہارا یہ قطعی فیصلہ ہے؟''

''بے شک۔''

''اور پریما کو کیا جواب دو گے؟''

''اسے مجھ سے بہت اچھا شوہر مل جائے گا۔''

دان ناتھ نے دلسوزی کے ساتھ۔ ''کیا باتیں کرتے ہو۔ تم سمجھتے ہو محبت کوئی بازار کا سودا ہے۔ جی چاہا لیا' جی چاہا نہ لیا مگر تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ پریما محض تمہاری معشوقہ بھی

ہے۔ یہ خبر پا کر اس کے دل کی کیا کیفیت ہو گی شاید اس کا اندازہ تم نہیں کر سکتے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ تم اپنے ساتھ ہی نہیں' اس کے ساتھ بھی بڑی بے انصافی کر رہے ہو۔''

امرت رائے ایک لمحہ کے لیے فکر میں ڈوب گئے۔ اپنے متعلق تو انہیں ذرا بھی اندیشہ نہ تھا' وہ اپنے تئیں فرض پر نثار کر سکتے تھے لیکن پریما کا کیا حال ہوگا' اس کا انہیں خیال نہ آیا تھا۔ ہاں اتنا وہ جانتے تھے کہ پریما بلند خیال عورت ہے اور ان کے ایثار کی اس کی نگاہوں میں ضرور وقعت ہو گی۔ بولے۔ ''اگر وہ اتنی ہی فرض شناس ہے جتنا میں سمجھتا ہوں تو میرے اس فیصلے پر اسے مطلق رنج نہ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اسے خوشی ہو گی۔ کم سے کم مجھے یہ امید ضرور ہے۔''

دان ناتھ نے منہ بنا کر کہا۔ ''تم سمجھتے ہو گے کہ بڑا میدان مار آئے ہو اور جو سنے گا وہ پھولوں کا ہار لے کر تمہارے گلے میں ڈالنے دوڑے گا لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم محض شہرت کے بھوکے ہو لیکن عورتوں کو شہرت کی اتنی ہوس نہیں ہوتی۔ پریما کتنی ہی پاکیزہ خیال ہو' وہ یہ کبھی پسند نہ کرے گی کہ تم اس سے اتنی بیدردی کے ساتھ کنارہ کش ہو جاؤ۔''

امرت رائے کا بنگلہ آ گیا۔ موٹر رک گئی۔ امرت رائے اتر کر اپنے کمرے کی طرف چلے۔ دان ناتھ ذرا دیر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ یہ مجھے بلائیں تو جاؤں لیکن جب امرت رائے نے ان کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا تو انہیں خوف ہوا کہ شاید میری باتیں انہیں ناگوار گزری ہیں۔ کمرے کے دروازے پر جا کر بولے۔ ''کیوں بھائی مجھ سے ناراض ہو گئے؟''

امرت رائے نے پرنم آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ ''نہیں دان ناتھ تمہاری جھڑکیوں میں مزا ہے جو دوسروں کی واہ واہ میں نہیں۔ میں جانتا ہوں تم نے اس وقت جو کچھ کہا ہے' وہ محض محبت سے کہا ہے۔ دل میں تم خوب سمجھتے ہو کہ میں شہرت کا حریص نہیں بلکہ زندگی میں کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔''

دان ناتھ نے اندر جا کر امرت رائے کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے۔ ''پھر سوچ لو۔ ایسا نہ

ہو کہ پیچھے پچھتانا پڑے۔"

امرت رائے نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔" اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ بھائی جان سچ پوچھو تو آج میں اپنے دل میں جس عالی ہمتی کا احساس کر رہا ہوں' وہ ایک نیا تجربہ ہے۔آج کئی ماہ کشمکش کے بعد میں نے اپنے اوپر یہ فتح پائی ہے۔ مجھے پریما سے جتنی محبت ہے' اس سے کئی گنا محبت میرے ایک دوست کو اس سے ہے۔ اس شریف آدمی نے کبھی بھول بھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا' لیکن میں جانتا ہوں اس کی محبت کتنی جاں سوز' کتنی گہری اور کتنی پاکیزہ ہے۔ میں تقدیر کی کتنی چوٹیں سہہ چکا ہوں' ایک چوٹ اور بھی سہہ سکتا ہوں لیکن میرے اس دوست نے ابھی ناکامی کی ایک چوٹ بھی نہیں سہی ہے اور یہ ناکامی اس کے لیے سوہانِ روح ہو جائے گی۔"

یہ اشارہ کس کی طرف تھا' دان ناتھ سے مخفی نہ رہا۔ جب امرت رائے کی بیوی کا انتقال ہوا اسی وقت پریما سے دان ناتھ کی شادی کا تذکرہ درپیش تھا۔ جب پریما کی بہن کا انتقال ہو گیا تو اس کے والد لالہ بدری پرشاد نے دان ناتھ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ دان ناتھ علم' دولت اور وقار کسی بات میں بھی امرت رائے کے مدِ مقابل نہ تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پریما بھی امرت رائے کی جانب زیادہ متوجہ معلوم ہوتی تھی۔ دان ناتھ اتنے مایوس ہوئے کہ طے کر لیا کہ کبھی شادی نہ کروں گا۔ دونوں دوستوں میں ذرا بھی کدورت نہ پیدا ہوئی۔ دان ناتھ یوں بظاہر تو ہمیشہ خوش رہتے تھے لیکن دنیا سے ان کا دل بیزار ہو گیا تھا' زندگی بار معلوم ہوتی تھی۔ امرت رائے کو اپنے دلی دوست کی حالت پر افسوس ہوتا تھا اور وہ اپنے دل کو اس آزمائش کے لیے مہینوں سے تیار کر رہے تھے لیکن پریما جیسی عدیم المثال نازنین سے دستبردار ہو جانا آسان نہ تھا۔ ایسی حالت میں دان ناتھ کا یہ اصرار دوستانہ ہمدردی پر اتنا زیادہ مبنی نہ تھا جتنا امرت رائے کا جذبہ ایثار کی گہرائی تک پہنچنے کی خواہش پر۔ جس تمنا کو انہوں نے سینہ کو چیر کر نکال ڈالا تھا' جس کے پورے ہونے کی اس زندگی میں مطلق امید نہ تھی' وہی تمنا آج ان کے سینہ میں مشعل کی طرح

روشن ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی امرت رائے کے اس ملکوتی ایثار نے ان کے دل پر بہت گہرا اثر پیدا کیا رقت آمیز لہجہ میں بولے۔ ''تو کیا اسی خیال سے تم نے آج یہ فیصلہ کرلیا۔ اگر تمہارا وہ دوست اس فیصلہ سے فائدہ اٹھائے تو میں کہوں گا کہ وہ تمہارا دوست نہیں' دشمن ہے اور پھر یہی کیا معلوم ہے کہ اس حالت میں بھی پریما کی شادی تمہارے دوست سے ہی ہو؟''

امرت رائے نے تشویشناک لہجے میں کہا۔ ''ہاں یہ اندیشہ ضرور ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا دوست اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔''

دان ناتھ نے افسردہ ہوکر کہا۔ ''تم اسے اتنا کمینہ سمجھنا چاہو تو سمجھ لو لیکن میں کہے دیتا ہوں کہ اگر میں اس دوست کو پہچان سکا ہوں تو وہ اپنے عوض تمہیں ناکامی کا شکار نہ بننے دے گا۔''

یہ کہتے ہوئے دان ناتھ باہر نکل آئے اور امرت رائے دروازے پر کھڑے انہیں پُر غرور نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ وہ دل میں کہہ رہے تھے' اس شخص میں کتنا ضبط ہے!

(2)

اِدھر دونوں دوستوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں' اُدھر لالہ بدری پرشاد کے گھر میں ماتم سا چھایا ہوا تھا۔ بڑی دیر بعد ان کی بیوی دیوکی نے کہا۔ ''تم ذرا امرت رائے کے پاس چلے کیوں نہیں جاتے؟''

بدری پرشاد نے اعتراض کے انداز سے کہا۔ ''جا کر کیا کروں!''

''میں اب اس چھوکرے کے پاس نہیں جا سکتا۔''

''آخر کیوں؟ کوئی حرج ہے؟''

''اب تم سے کیا بتاؤں۔ جب مجھے اس کا فیصلہ معلوم ہوگیا تو میرا اس کے پاس جانا غیر مناسب ہی نہیں اہانت آمیز ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ بدھوا بواہ کے حامی ہیں۔ سمجھتے ہیں اس سے ملک آسمان پر پہنچ جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں بدھوا بواہ ملک کے لیے زہر

قاتل ہے۔ اس سے ہندو عظمت اور پاکیزگی کے رہے سہے نشان بھی مٹ جائیں گے۔ ایسی حالت میں ہمارا اب ان سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔''

دیوکی نے جواب دیا۔''یہ کوئی بات نہیں۔ آج اگر ہمارا کملا مسلمان ہوجائے تو کیا ہم اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیں گے؟ ہم سے جہاں تک ہو سکے گا' اسے سمجھائیں گے اور اسے سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کریں گے۔''

دیوکی کے اس جواب سے بدری پرشاد کچھ نرم تو پڑے لیکن پھر بھی قائل نہ ہوئے۔ بولے۔''بھئی میں تو اب امرت رائے کے پاس نہ جاؤں گا۔ تم اگر سوچتی ہو کہ وہ سمجھانے سے راہ راست پر آجائیں گے تو انہیں بلا لو یا خود چلی جاؤ لیکن مجھ سے جانے کو نہ کہو۔ میں انہیں دیکھ کر شاید آپے سے باہر ہو جاؤں۔ کہو تو جاؤں؟''

دیوکی: نہیں معاف کیجیے۔ اس سے تو یہی اچھا ہے کہ تم نہ جاؤ' میں کل انہیں بلا لوں گی۔

بدری: بلانے کو بلا لو لیکن یہ میری کبھی پسند نہ کروں گا کہ تم ان کی خوشامد کرو۔ پریما کو میں ان کے گلے لگانا نہیں چاہتا۔ اس کے لیے بر کی کمی نہیں ہے۔

دیوکی: پریما ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے کہ تم اس کی شادی جس کے ساتھ چاہو کر دو۔ ذرا جا کر اس کی حالت تو دیکھو تو معلوم ہو' جب سے یہ خبر ملی ہے' اکیلی چھت پر پڑی رو رہی ہے۔

بدری: اجی یہ تو لڑکیوں کا قاعدہ ہے۔ دس پانچ روز میں آپ ہی آپ سنبھل جائے گی۔

دیوکی: کون پریما؟ میں کہتی ہوں وہ اس غم میں رو رو کر جان دے دے گی۔ تم ابھی اسے نہیں جانتے۔

بدری پرشاد نے جھنجھلا کر کہا۔ اگر وہ رو رو کر مرنا چاہتی ہے تو مر جائے لیکن میں امرت رائے کی خوشامد نہ کروں گا۔

بدری پرشاد باہر چلے گئے۔ دیوکی بڑے شش و پنج میں پڑ گئی شوہر کی عادت سے خوب واقف تھی لیکن انہیں اتنا کج فہم اس نے نہ سمجھا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ امرت رائے سمجھانے سے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیں گے لیکن ان کے پاس کیسے جائے۔ شوہر سے راڑ کیسے مول لے۔

دفعتاً پریما اوپر سے آ کر چارپائی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

دیوکی نے سمجھا کر کہا۔ ''رو و مت بیٹی۔ میں کل انہیں بلالوں گی' میری بات وہ کبھی نہ ٹالیں گے۔''

پریما نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ''نہیں اماں! آپ کے پیروں پڑتی ہوں' ان سے کچھ نہ کہیے۔ میں کارِ خیر میں رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتی۔ انہوں نے ہماری بدنصیب بہنوں کی خاطر یہ فیصلہ کیا ہے۔ ہمارے یہاں کتنے ایسے آدمی ہیں جو اتنی جرأت کر سکیں۔ میں کے اس نیک ارادہ میں حائل نہ ہوں گی۔''

دیوکی نے حیرت زدہ نگاہوں سے پریما کو دیکھا۔ لڑکی کیا کہہ رہی ہے' ان کی سمجھ میں نہ آیا۔

پریما پھر بولی۔ ''اگر ایسے نیک طبیعت اور روشن خیال آدمی قربانیاں نہ کریں گے تو کون کرے گا؟''

دیوکی نے پوچھا۔ ''اور تُو اپنے دل کو کیسے سمجھائے گی بیٹی؟ اس خیال سے مجھے تسکین ہو گی؟''

پریما نے متانت سے جواب دیا۔ ''مجھے اس کا بالکل دکھ نہیں ہے اماں جی! میں آپ سے سچ کہتی ہوں' میں بھی اس کام میں ان کی مدد کروں گی۔ جب تک آپ لوگوں کا ہاتھ میرے سر پر ہے' مجھے کس بات کی فکر ہے۔ آپ لوگ میرے لیے ذرا بھی اندیشہ نہ کریں۔ میں کنواری رہ کر بہت سکھی ہوں گی۔''

دیوکی نے پُر اشک نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ ''ماں باپ کس کے سدا بیٹھے رہتے ہیں

بیٹی! اپنی آنکھوں کے سامنے جو کام ہو جائے وہی اچھا۔لڑکی تو ان کی بھی نہیں کنواری رہنے پاتی جن کے گھروں میں کھانے کا ٹھکانا نہیں ہے۔بھیک مانگ کر لوگ لڑکی کا بیاہ کرتے ہیں۔محلہ میں کوئی لڑکی یتیم ہو جاتی ہے تو چندہ سے اس کا بیاہ کر دیا جاتا ہے۔ میرے یہاں کس بات کی کمی ہے؟ میں تمہارے لیے کوئی اور لڑکا تلاش کروں گی۔یہ جانے سنے آدمی تھے' اتنا ہی تھا ورنہ برادری میں ایک سے ایک پڑے ہوئے ہیں۔میں کل تمہارے بابو جی کو بھیجتی ہوں۔''

پریما کا دل کانپ اٹھا۔آج تین برس سے امرت رائے کی مورت کو اپنے دل کے مندر میں بٹھا کر وہ پوجتی چلی آئی تھی' اس مورت کو اس کے دل سے کون نکال سکتا تھا؟ دل میں اس مورت کو بٹھائے ہوئے کیا وہ کسی دوسرے شخص سے بیاہ کر سکتی تھی؟ وہ بیاہ ہو گا یا بیاہ کا ڈھونگ؟ اس زندگی کا خیال کتنا خوفناک' کتنا دل ہلا دینے والا تھا؟ پریما نے زمین کی طرف تاکتے ہوئے کہا۔

''نہیں اماں جی! میرے لیے آپ کوئی فکر نہ کریں' میں نے کنواری ہی رہنے کا قصد کر لیا ہے۔''

بابو کملا پرشاد کی آمد آمد کا شور سنائی دیا۔آپ سینما کے بے طرح دلدادہ تھے' روز ہی جایا کرتے تھے۔نوکروں سے وہ سختی کے ساتھ کام لیتے تھے۔خصوصاً باہر سے آنے پر تو کسی ایک کی مرمت سے باز نہ رہ سکتے تھے۔ان کے بوٹ کی چرچراہٹ سنتے ہی نوکروں میں ہلچل پڑ جاتی تھی۔

کملا پرشاد نے آتے ہی آتے کہار سے پوچھا۔'' برف لائے؟''

کہار نے دبی زبان سے کہا۔''ابھی تو نہیں سرکار''

کملا پرشاد نے گرج کر کہا۔''زور سے بولو' برف لائے یا نہیں؟ منہ میں زبان نہیں ہے؟''

کہار کی آواز اب بالکل بند ہو گئی۔کملا پرشاد نے کہار کے دونوں کانوں کو پکڑ کر ہلاتے

ہوئے کہا ''ہم پوچھتے ہیں کہ برف لائے یا نہیں؟''

کہار نے دیکھا کہ اب بغیر منہ کھولے ہوئے کانوں کے اکھڑ جانے کا احتمال ہے تو آہستہ بولا۔ ''نہیں سرکار!''

کملا: کیوں نہیں لائے؟

کہار: پیسے نہ تھے۔

کملا: کیوں پیسے نہ تھے؟ گھر میں جا کر مانگے تھے؟

کہار: ہاں سرکار' کسی نے سنا نہیں۔

کملا: جھوٹ بولتا ہے۔ میں جا کر دریافت کرتا ہوں۔ اگر معلوم ہوا کے تو نے پیسے نہیں مانگے تو کچا ہی کھا جاؤں گا۔ راسکل!

کملا پرشاد نے کپڑے بھی نہیں اتارے۔ غصہ میں بھرے ہوئے گھر میں جا کر ماں سے پوچھا۔ ''کیوں اماں! بدلو تم سے برف کے لیے پیسے مانگنے آیا تھا؟''

دیوکی نے بغیر ان کی طرف دیکھے ہی کہا۔ ''آیا ہوگا' یاد نہیں آتا۔ بابو امرت رائے سے تو ملاقات نہیں ہوئی؟''

کملا: نہیں ان سے تو ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کی طرف گیا تھا لیکن جب سنا کہ وہ کسی جلسہ میں گئے ہیں تو میں سینما دیکھنے چلا گیا۔ جلوس کا تو انہیں مرض ہے اور میں بالکل فضول سمجھتا ہوں' کوئی فائدہ نہیں۔ بغیر لیکچر سنے بھی آدمی زندہ رہ سکتا ہے اور لیکچر دینے والوں کے بغیر دنیا کے پاتال میں چلے جانے کا اندیشہ نہیں۔ نہاں دیکھو لیکچرار ہی لیکچرار نظر آتے ہیں۔ برساتی مینڈکوں کی طرح ٹرٹر کیا اور چلتے ہوئے۔ اپنا وقت کھویا اور دوسروں کو پریشان کیا' سب کے سب بے وقوف ہیں۔

دیوکی: امرت رائے نے تو آج ناؤ ہی ڈبو دی۔ اب کسی بدھوا سے بیاہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔

کملا پرشاد نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔ '' اور یہ جلسے والے کریں گے کیا؟ یہی سب تو

ان سبھوں کو سوجھتی ہے۔ لالہ اب کسی بیوہ سے شادی کریں گے۔ اچھی بات ہے۔ میں ضرور بارات میں جاؤں گا‘ خواہ اور کوئی جائے یا نہ جائے۔ ذرا دیکھوں نئے ڈھنگ کی شادی کیسی ہوتی ہے۔ وہاں بھی سب لیکچر بازی کریں گے۔ ان لوگوں کے لیے اور کیا ہو گا؟ سب کے سب بے وقوف ہیں‘ عقل کسی کو چھو نہیں گئی۔‘‘

دیوکی: تم ذرا ان کے پاس چلے جاتے۔

کملا: اس وقت تو بادشاہ بھی بلائے تو نہ جاؤں۔ ہاں کسی روز جا کر ذرا خیر و عافیت پوچھ آؤں گا مگر ہے پورا خبطی! میں تو جانتا تھا کہ اس میں کچھ سمجھ ہو گی مگر زرا بونگا نکلا! اب بتاؤ زیادہ پڑھنے سے کیا فائدہ ہوا؟ بہت اچھا ہوا کہ میں نے پڑھنا چھوڑ چھاڑ دیا۔ بہت پڑھنے سے عقل ماری جاتی ہے۔ جب آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں تو عقل کیسے بچی رہ سکتی ہے؟ تو کوئی بیوہ بھی ٹھیک ہو گئی یا نہیں؟ کہاں ہیں مصرانی؟ کہہ دو کہ اب تمہاری چاندی ہے‘ کل ہی سندیس بھیج دیں۔ کوئی اور نہ جائے تو میں جانے کو تیار ہوں۔ بڑا مزا رہے گا! کہاں ہیں مصرانی۔ اب ان کی قسمت کھلی رہے گی۔ برادری ہی کی بیوہ نا‘ کہ برادری کی قید بھی نہیں رہی؟

دیوکی: یہ تو نہیں جانتی‘ اب کیا ایسے بھرشٹ (ناپاک) ہو جائیں گے!

کملا: یہ سبھا والے جو کچھ نہ کر گزریں وہ تھوڑا۔ ان سبھوں کو بیٹھے بیٹھے ایسی ہی بے پر کی اڑانے کی سوجھتی ہے۔ ایک روز پنجاب سے کوئی بوکھل (خبطی) آیا تھا۔ کہہ گیا ذات پات توڑ دو کیونکہ اس سے ملک میں پھوٹ پڑتی ہے۔ ایسے ہی ایک اور جانگلو آ کر کہہ گیا کہ چماروں پاسیوں کو بھائی سمجھنا چاہیے‘ ان سے کسی طرح پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ بس سب کے سب بیٹھے بیٹھے یہی سوچا کرتے ہیں کہ کوئی نئی بات نکالنی چاہیے۔ بڈھے گاندھی جی کو اور کچھ نہ سوجھی تو سوراج ہی کا ڈنکا پیٹ چلے۔ سبھوں نے عقل بیچ کھائی ہے۔

اتنے ہی میں ایک حسینہ نے صحن میں قدم رکھا مگر کملا پرشاد کو دیکھ کر ڈیوڑھی پر ٹھٹک گئی۔

دیوکی نے کملا سے کہا ''تم ذرا کمرہ میں چلے جاؤ' ڈیوڑھی پر کھڑی ہے۔''

پورنا کو دیکھتے ہی پریما دوڑ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی۔ پڑوس میں ایک پنڈت بسنت کمار رہتے تھے۔ کسی دفتر میں نوکر تھے۔ پورنا انہی کی بیوی تھی۔ بہت ہی حسین، بہت ہی نیک۔ مکان میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ جب دس بجے پنڈت جی دفتر چلے جاتے تو وہ یہیں چلی آتی اور دو سہیلیاں شام تک بیٹھی ہنستی بولتی رہتیں۔ پریما کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اگر کسی دن وہ کسی سبب نہ آتی تو وہ خود اس کے یہاں جاتی۔ آج بسنت کمار کہیں دعوت پر گئے تھے۔ پورنا کا جی گھبرایا تو وہ یہاں چلی آئی۔ پریما اس کا ہاتھ پکڑ کا اوپر کمرہ میں لے گئی۔

پورنا نے چادر الگنی پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے بھیا آنگن میں کھڑے تھے اور میں منہ کھولے چلی آتی تھی، مجھ پر ان کی نظر پڑ گئی ہوگی۔''

پریما: بھیا میں کسی کو تا کنے کی لت نہیں ہے۔ یہی تو ان میں ایک گُن (وصف) ہے۔ آپ پنڈت جی کہیں گئے ہیں کیا؟

پورنا: ہاں آج ایک نیوتے (دعوت) میں گئے ہیں۔

پریما: سبھا میں نہ گئے' آج تو بہت بھاری سبھا ہوئی ہے۔

پورنا: وہ کسی سبھا سماج میں نہیں جاتے۔ کہتے ہیں کہ ایشور نے دنیا بنائی ہے اور وہی اپنی مرضی سے ہر بات کا بندوبست کرتا ہے۔ میں اس کے کاموں کو سدھارنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

پریما: آج کی سبھا دیکھنے کے لائق تھی۔ تم ہوتیں تو میں بھی جاتی۔ سماج سدھار پر ایک مہاشے کا بڑا اچھا لیکچر ہوا۔

پورنا: عورتوں کے سدھا کا رونا رویا گیا تھا؟

پریما: تو کیا عورتوں کے سدھار کی ضرورت نہیں ہے؟

پورنا: پہلے مرد لوگ تو اپنی دَشا (حالت) سدھار لیں، پھر عورتوں کی دَشا سد

ھاریں گے۔ ان کی دَشا سدھر جائے تو عورتیں آپ ہی سدھر جائیں گی۔ ساری برائیوں کی جڑ مرد ہی ہیں۔

پریما نے ہنس کر کہا۔ ''نہیں بہن! سماج میں عورت' مرد دونوں ہی ہیں اور جب تک دونوں کا سدھار نہ ہوگا' زندگی میں سکھ نہ ملے گا۔ مردوں کے وِدوان ہو جائیں گی۔ مرد تو زیادہ تر سادے ہی کپڑے پہنتے ہیں' پھر عورتیں کیوں گہنوں پر جان دیتی ہیں۔ قیمتی کپڑوں کی تو کوئی بات نہیں؟ مردوں میں تو کتنے ہی بن بیاہ ہے رہ جاتے ہیں۔ عورتوں کو کیوں بن بیاہا رہنے میں زندگی بیکار معلوم ہوتی ہے؟ بتاؤ میں تو شتی ہوں کہ بن بیاہا رہنے میں جو سکھ ہے' وہ بیاہ کر کے رہنے میں نہیں۔''

پورنا نے آہستہ سے پریما کو دھکا دے کر کہا۔ ''چلو بہن! تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو۔ بابو امرت رائے سنیں گے تو تمہاری خوب خبر لیں گے۔ میں انہیں لکھ بھیجوں گی کہ ئی اپنا بیاہ نہ کریں گی' آپ کوئی اور دروازہ دیکھیں۔''

پریما نے امرت رائے کے عہد کا حال نہ کہا۔ وہ جانتی تھی کہ اس سے پورنا کی نگاہ میں ان کی قدر بہت کم ہو جائے گی۔ بولی ''وہ خود بیاہ نہ کریں گے۔''

پورنا: چلو' جھوٹ بکتی ہو۔

پریما: نہیں بہن! جھوٹ نہیں' شادی کرنے کی ان کی خواہش نہیں ہے۔ دیدی (بڑی بہن) کے مر جانے کے بعد وہ کچھ تیاگی سے ہو گئے تھے۔ بابو جی کے بہت گھیر نے پر اور مجھ پر رحم کر کے وہ شادی کرنے پر تیار ہوئے تھے مگر اب ان کا ارادہ بدل گیا ہے اور میں بھی سمجھتی ہوں کہ جب ایک شخص خود گرہستی کے جھنجھٹ میں نہ پھنس کر کچھ سماج کی سیوا کرنا چاہتا ہے تو اس کے پیر کی بیڑی بننا ٹھیک نہیں ہے۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں پورنا مجھے اس کا رنج نہیں ہے ان کی دیکھا دیکھی میں بھی کچھ لے کر جاؤں گی۔

پورنا کی حیرت بڑھتی ہی گئی' بولی۔ ''آج چار بجے تک تم ایسی باتیں نہ کرتی تھیں۔ یکا یک یہ کیسی کایا پلٹ ہو گئی۔ انہوں نے کسی سے کچھ کہا ہے کیا؟''

پریما: بلا کہے بھی تو آدمی اپنی خواہش ظاہر کرسکتا ہے۔

پورنا: میں ایک خط لکھ کران سے پوچھوں گی۔

پریما: نہیں پورنا۔تمہارے پیروں پڑتی ہوں' خط و طنہ لکھنا۔ میں کسی نیک ارادہ میں رکاوٹ نہ ڈالوں گی میں اگر اور کوئی مدد نہیں کرسکتی تو کم سے کم ان کی راہ کا کانٹا نہ بنوں گی۔

پورنا: ساری عمر روتے کٹے گی' کہے دیتی ہوں۔

پریما: ایسا کوئی دکھ نہیں ہے جو آدمی سہہ نہ سکے۔وہ جانتے ہیں کہ مجھے اس سے دکھ نہیں سکھ ہوگا ورنہ وہ کبھی ایسا ارادہ نہ کرتے۔میں ایسے حوصلہ والے آدمی کا حوصلہ بڑھانا اپنا فرض سمجھتی ہوں' اسے گرہستی میں نہیں پھنسانا چاہتی۔

پورنا نے بے پروائی سے کہا۔تمہاری مایا (لیلا) میری سمجھ میں نہیں آتی بہن۔معاف کرنا میں کبھی نہ مانوں گی کہ تم کو اس سے دکھ نہ ہوگا۔

پریما: تو پھر انہیں بھی ہوگا؟

پورنا: مردوں کا دل سخت ہوتا ہے۔

پریما: تو میں بھی اپنا دل سخت بنالوں گی۔

پورنا: اچھا بنالینا' لو اب نہ کہوں گی۔لاؤ باجہ' تمہیں ایک گیت سناؤں۔

پریما نے ہارمونیم سنبھالی اور پرنا گانے لگی۔

(3)

ہولی کا دن آیا' پنڈت بسنت کمار کے لیے یہ بھنگ پینے کا دن تھا۔انہوں نے مہینوں پہلے سے بھنگ منگا رکھی تھی۔اپنے دوستوں کو بھنگ پینے کی دعوت دے چکے تھے۔ سویرے اٹھتے ہی پہلا کام جو انہوں نے کیا' وہ بھنگ کا دھونا تھا۔محلّہ کے دو چار لونڈے اور دو چار بے فکر جمع ہوگئے۔بھنگ دُھلنے لگی' کوئی مرچ پیسنے لگا' کوئی بادام چھیلنے لگا۔دو آدمی دودھ کا بندوبست کرنے کے لیے گئے۔دو آدمی سل بٹا دھونے لگے۔ایک ہنگامہ برپا ہو

گیا۔

دفعتاً بابو کملا پرشاد آ پہنچے۔ یہ جمگھٹا دیکھ کر بولے۔ ''کیا ہو رہا ہے بھئی! ہمارا بھی حصہ ہے نا؟''

بسنت کمار نے آگے بڑھ کر خیر مقدم کیا۔ بولے ''ضرور ضرور۔ میٹھی پیجیے گا کہ نمکین؟''

کملا: اجی میٹھی پلاؤ، نمکین کیا۔ مگر یار زعفران اور کیوڑا ضرور ہو۔ کسی کو بھیجیے میرے یہاں سے لے آئے۔ کسی لڑکے کو بھیجیے جو اندر جا کر پریما سے مانگ لائے۔ کہیں بیوی صاحبہ کے پاس نہ چلا جائے ورنہ مفت گالیاں ملیں، تیوہار کے دن۔ ان کا مزاج گرم ہو جایا کرتا ہے۔ یار بسنت کمار! بیویوں کے خوش رکھنے کا کوئی آسان نسخہ بتلاؤ۔ میں تو عاجز آ گیا۔

بسنت کمار نے مسکرا کر کہا۔ ''ہمارے یہاں تو یہ مرض کبھی نہیں ہوتا''

کملا: تو یار تم بڑے خوش نصیب ہو کیا پورنا تم سے کبھی نہیں روٹھتی؟

بسنت: کبھی نہیں۔

کملا: تو یار تم بڑے خوش نصیب ہو۔ یہاں تو دوامی قید ہو گئی ہے اور گھڑی بھی گھر سے باہر رہو تو جواب طلب ہوتا ہے۔ سینما روزانہ جاتا ہوں اور ہر روز گھنٹوں مناؤں کرنا پڑتا ہے۔

بسنت: تو سینما دیکھنا چھوڑ دیجیے۔

کملا: واہ واہ، یہ تو تم نے خوب کہی۔ قسم اللہ پاک کی، خوب کہی۔ جس کل وہ بٹھائے، اسی کل بیٹھ جاؤں۔ پھر جھگڑا ہی نہ ہو، کیوں؟ اچھی بات ہے، کل دن بھر گھر سے نکلوں گا ہی نہیں۔ دیکھو کہ تب کیا کہتی ہے۔ دیکھا، اب تک وہ چھوکرا زعفران اور کیوڑا لے کر نہیں لوٹا کان میں بھنک پڑ گئی ہو گی پریما کو منع کر دیا ہو گا۔ بھئی اب تو نہیں رہا جاتا۔ آج جو کوئی میرے منہ لگا تو برا ہو گا۔ میں ابھی جا کر سب چیزیں بھیجے دیتا ہوں مگر جب تک میں نہ

آؤں' آپ تیار نہ کرائیے گا۔ یہاں اس فن کے استاد ہیں۔ موروثی بات ہے۔ دادا ایک تو لہ کا ناشتہ کرتے ہیں۔ عمر میں کبھی ایک دن کا بھی ناغہ نہیں کیا مگر کیا مجال کہ نشہ ہو جائے۔

یہ کہہ کر کملا پرشاد جھلاتے ہوئے گھر چلے گئے۔ بسنت کمار کسی کام سے اندر گئے تو دیکھا کہ پورنا ابٹن پیس رہی ہے۔ پنڈت جی کے بیاہ کے بعد یہ دوسری ہولی تھی۔ پہلی ہولی میں بیچارے خالی ہاتھ تھے۔ پورنا کی کچھ خاطر نہ کر سکے تھے مگر اب کے انہوں نے بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں' محنت کر کے کوئی ڈیڑھ سو روپیہ پیدا کیے تھے۔ اس میں سے پورنا کے لیے ایک عمدہ ساڑھی لائے تھے۔ دو ایک چھوٹی موٹی چیزیں بھی بنوا دی تھیں۔ پورنا آج وہ ساڑھی پہن کر انہیں اپسرا سی معلوم پڑنے لگی۔ پاس جا کر بولے "آج تو جی چاہتا ہے کہ تمہیں آنکھوں میں بٹھا لوں۔"

پورنا نے ابٹن ایک پیالی میں اٹھاتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کہا۔ "یہ دیکھو میں تو پہلے ہی سے بیٹھی ہوئی ہوں۔"

بسنت: ذرا اشنان کرتا آؤں۔ کملا بابو اب دس بجے کے پہلے نہ لوٹیں گے۔

پورنا: پہلے ذرا یہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔ ابٹن تو لگا دوں' پھر نہانے جانا۔

بسنت: نہیں نہیں' رہنے دو۔ میں ابٹن نہ لگواؤں گا۔ لاؤ میری دھوتی دو۔

پورنا: واہ ابٹن کیوں نہ لگاؤ گے۔ آج تو یہ رسم ہے آ کے بیٹھ جاؤ۔

بسنت: بڑی گرمی ہے' جی نہیں چاہتا۔

پورنا نے لپک کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ابٹن بھرا ہاتھ ان کے بدن پر پھیر دیا۔ بولی۔ "سیدھے سے کہتی تھی تو نہیں مانتے تھے' اب تو بیٹھو گے۔"

بسنت نے جھینپ کر کہا۔ "مگر ذرا جلدی کرنا' دھوپ ہو رہی ہے۔"

پورنا: اب گنگا جی کہاں جاؤ گے۔ یہیں نہا لو۔

بسنت: نہیں' آج گنگا کنارے بڑی بہار ہو گی۔

پورنا: اچھا تو جلدی لوٹ آنا' یہ نہیں کے اِدھر اُدھر تیرنے لگو۔ نہاتے وقت تم بہت

دور تک تیر جایا کرتے ہو۔

پنڈت جی ابٹن لگوا کر نہانے کے لیے چلے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ گھاٹ سے ذرا الگ نہایا کرتے تھے۔ تیراک بھی اچھے تھے۔ کئی بار شہر کے اچھے تیراکوں سے بازی جیت چکے تھے۔ اگرچہ آج گھر سے وعدہ کر کے چلے تھے کہ تیروں گا نہیں مگر ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اور صاف پانی میں اٹھتی ہوئی ہلوریں ایسی بھلی معلوم ہوتی تھیں کہ دل تیرنے کے لیے بے قرار ہو اٹھا۔ وہ فوراً پانی میں کود پڑے اور ادھر اُدھر کلیلیں کرنے لگے۔ دفعتاً انہیں منجدھار میں کوئی سرخ چیز بہتی نظر آئی۔ غور سے دیکھا تو کنول تھے۔ آفتاب کی شعاعوں میں چمکتے ہوئے وہ ایسے خوشنما معلوم ہوتے تھے کہ بسنت کمار کا جی ان پر للچا گیا۔ سوچا کہ اگر یہ مل جائیں تو پورنا کے کانوں کے لیے جھومکے بناؤ۔ اس کی خوشی کا اندازہ کر کے ان کا دل ناچ اٹھا۔ بیچ دھارے تک تیر جانا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ انہیں پورا یقین تھا کہ میں پھول لا سکتا ہوں۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ یہ نہ سوچا کہ جیوں جیوں میں آگے بڑھوں گا، پھول بھی تو بڑھیں گے ان کی طرف چلے اور کوئی پندرہ منٹ میں منجدھار میں پہنچ گئے۔

مگر وہاں جا کر دیکھا تو پھول اتنی ہی دور آگے تھے اب کچھ تھکان معلوم ہونے لگی مگر بیچ میں کوئی ریت بھی نہ پڑتی تھی جو پر بیٹھ کر دم لیتے' آگے ہی دور آگے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے جب پھولوں کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھانا چاہا تو ہاتھ اٹھ نہ سکا۔ آخر ان کو دانتوں میں دبا لیا اور پلٹ پڑے مگر جب وہاں سے انہوں نے کنارے کی طرف دیکھا تو ایسا معلوم ہوا گویا ہزاروں کوس کی منزل ہے۔ بدن بالکل نڈھال ہو گیا تھا اور پانی کا بہاؤ بھی خلاف تھا۔ ان کی ہمت چھوٹ گئی۔ ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ قریب کوئی کشتی یا ڈونگی نہ تھی اور نہ کنارے تک آواز ہی پہنچ سکتی تھی۔ سمجھ گئے یہیں غرق دریا ہونا پڑے گا۔ ایک لمحہ کے لیے پورنا کی یاد آئی ہائے! وہ ان کی راہ دیکھ رہی ہوگی' اسے کیا معلوم کہ وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر چکے۔ بسنت کمار نے ایک بار پھر زور لگایا مگر ہاتھ پیر نہ ہل سکے۔ اب ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کنارے پر سے لوگوں نے انہیں دیکھا۔ دو چار آدمی پانی

میں کود بھی پڑے مگر ایک ہی لمحہ میں بسنت کمار لہروں میں سما گئے۔ صرف کنول کے پھول پانی پر تیرتے رہ گئے۔ گویا زندگی کا خاتمہ ہو جانے کے بعد اس کی نا کام آرزوئیں اپنا خونیں جلوہ دکھا رہی تھیں۔

(4)

لالہ بدری پرشاد کی شرافت مشہور تھی۔ ان سے ٹھگ کر کوئی ایک پیسہ بھی نہ لے سکتا تھا مگر مذہب کے معاملہ میں وہ بہت ہی فراخ دل تھے۔ خود غرضیوں سے وہ کوسوں بھاگتے تھے مگر محتاجوں کی مدد کرنے میں کبھی نہ چوکتے تھے۔ پھر پورنا تو ان کی پڑوسن ہی نہیں برہمنی بھی تھی۔ اس پر ان کی لڑکی کی سہیلی' اس کی مدد وہ کیوں نہ کرتے؟ پورنا کے ساتھ دو چار معمولی گہنوں کے سوا اور کیا تھا۔ تیرہویں کے دن اس نے وہ سب گہنے لا کر لالہ جی کے سامنے رکھ دیئے اور آبدیدہ ہو کر بولی۔ ''میں اب انہیں رکھ کر کیا کروں گی۔''

بدری پرشاد نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں انہیں لے کر کیا کروں گا بیٹی! تم یہ نہ سمجھو کہ میں دھرم یا پُن سمجھ کر یہ کام کر رہا ہوں۔ یہ میرا فرض ہے۔ ان گہنوں کو اپنے پاس رکھ' کون جانے کس وقت ان کی ضرورت پڑ جائے۔ جب تک میں زندہ ہوں' تمہیں اپنی بیٹی سمجھتا رہوں گا۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''

تیرہویں بڑی دھوم سے ہوئی' کئی سو برہمنوں نے کھانا کھایا' دان دچھنا میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

رات کو بارہ بج گئے لالہ بدری پرشاد برہمنوں کو کھانا کھلا کر لوٹے تو دیکھا کہ پریمان کے کمرے میں کھڑی ہے۔ بولے ''یہاں کیوں کھڑی ہو بیٹی! رات بہت ہوگئی' جا کر سو رہو۔''

پریما: شرز آپ نے ابھی کچھ کھانا نہیں کھایا ہے نا؟

بدری: اب اتنی رات گئے میں کھانا نہ کھاؤں گا' تھک بھی بہت گیا ہوں۔ لیٹتے ہی لیٹتے سو جاؤں گا۔

یہ کہہ کر بدری پلنگ پر بیٹھ گئے اور ایک لمحہ بعد بولے ’’کیوں بیٹی پورنا کے مائکہ میں کوئی نہیں ہے؟ میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ شاید اس کو کچھ رنج ہو۔‘‘

پریما: مائکہ میں کون ہے۔ ماں باپ تو پہلے ہی مر چکے تھے‘ ماما نے بیاہ کر دیا تھا مگر جب سے بیاہ ہوا‘ پھر کبھی جھانکے تک نہیں۔ سسرال میں بھی سگا کوئی نہیں ہے۔ پنڈت جی کے دم سے ناتا تھا۔

بدری پرشاد نے بستر کے چار برابر کرتے ہوئے کہا۔ ’’میں سوچتا ہوں کے پورنا کو اپنے ہی مکان میں رکھوں تو کیا حرج ہے؟ اکیلی عورت کیسے رہے گی؟‘‘

پریما: ہوگا بہت اچھا مگر اماں جی مانیں تب تو۔

بدری: مانیں گی کیوں نہیں‘ پورنا تو انکار نہ کرے گی۔

پریما: پوچھوگی‘ میں سمجھتی ہو کہ انہیں انکار نہ ہوگا۔

بدری: اچھا مان لو کہ وہ اپنے ہی گھر میں رہے تو اس کا خرچ کوئی بیس روپیہ میں چل جائے گا۔

پریما نے احسان مند نگاہوں سے والد کی طرف دیکھ کر کہا۔ ’’بڑے مزے سے‘ پنڈت جی پچاس ہی روپیہ تو پاتے تھے۔‘‘

بدری پرشاد نے تشویش کے لہجہ میں کہا۔ ’’میرے لیے بیس، پچیس تیس سب برابر ہیں مگر مجھے اپنی زندگی ہی کی بات تو نہیں سوچنی ہے۔ اگر آج نہ رہو تو کملا کوڑی چھوڑ کر نہ دے گا‘ اس کے لیے کوئی مستقل بندوبست کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی ہاتھ میں روپیہ نہیں ہے ورنہ کل ہی چار ہزار روپیہ کسی معتبر بینک میں جمع کر دیتا‘ پنکھا لا کر رکھ دوں۔ رات تو زیادہ ہوگئی۔

دفعتاً کملا پرشاد آنکھیں ملتے ہوئے آکر کھڑے ہو گئے اور بولے‘ ابھی آپ سوئے نہیں۔ گرمی لگتی ہو تو پنکھا لا کر رکھ دوں۔ رات تو زیادہ ہوگئی۔

بدری: نہیں گرمی نہیں ہے۔ پریما سے کچھ باتیں کرنے لگا تھا۔ تم سے بھی کچھ

صلاح لینا چاہتا ہوں۔تم آپ ہی آ گئے۔میں سوچتا ہوں پورنا یہیں آ کر رہے تو کیا حرج ہے؟

کملا پرشاد نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔"یہاں اماں نہ راضی ہوں گی۔"

بدری: اماں کی بات چھوڑو'تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

کملا پرشاد نے زور دے کر کہا۔"میں تو کبھی صلاح نہ دوں گا۔دنیا میں سبھی طرح کے آدمی ہیں'نہ جانیں لوگ کیا سمجھیں۔ذرا دور تک سوچیے۔"

بدری: اس کی پرورش کے لیے تو کوئی نہ کوئی انتظام کرنا ہی ہو گا۔

کملا: ہم کیا کر سکتے ہیں؟

بدری: تو اور کون کرے گا؟

کملا: شہر میں ہم ہی تو نہیں ہیں اور بہت سے مالدار لوگ ہیں۔اپنی حیثیت کے مطابق ہم بھی کچھ امداد کریں گے۔

بدری پرشاد نے تمسخر کرتے ہوئے کہا۔"تو چندہ کھل دیا جائے۔کیوں اچھی بات ہے؟تو جاؤ گھوم گھوم۔

کملا: میں کیوں چندہ جمع کرنے لگا۔

بدری: تب کون کرے گا؟

کملا پرشاد نے اس معاملہ پر مطلق غور نہ کیا تھا' بے دلی سے بولا۔"آخر آپ نے کوئی تجویز تو سوچی ہو گی۔جو مناسب سمجھیے وہ کیجیے۔"

بدری: میں کیا کروں گا'میری تجویز کی اب وقعت ہی کیا ہے۔چراغ سحری ہو رہا ہوں۔میری زندگی کا کیا ٹھکانا! آج مرا کل دوسرا دن۔میری آنکھیں بند ہوتے ہی تم سب درہم برہم کر ڈالو تو مفت میں اور بدنامی ہو۔

کملا پرشاد نے بہت رنجیدہ ہو کر کہا۔"آپ مجھے اتنا کمینہ خیال کرتے ہیں'مجھے معلوم

نہ تھا۔

بدری پرشاد بیٹے کو بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر میری باتوں سے اسے صدمہ پہنچا' انہوں نے فوراً بات بنائی۔ ''نہیں نہیں' میں تمہیں کمینہ نہیں سمجھتا۔ بہت ممکن ہے کہ آج ہم جو بات کر سکتے ہیں' وہ کل حالات کے تبدیل ہو جانے پر نہ کرسکیں۔''

کملا: ایشور نہ کرے کہ میں وہ مصیبت جھیلنے کے لیے بیٹھا رہوں لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آپ جو کچھ کر جائیں گے' اس میں کملا پرشاد کو کبھی کسی حالت میں اعتراض نہ ہوگا۔ آپ گھر کے مالک ہیں' آپ ہی نے یہ دولت پیدا کی ہے۔ آپ کو اس پر پورا اختیار ہے تجویز کرنے کے پیشتر میں جو شاہے کہوں۔ جب آپ ایک بات طے کر دیں گے تو میں اس کے خلاف زبان تک نہ ہلاؤں گا۔

بدری: تو کل چار ہزار روپے پورنا کے نام بینک میں جمع کر دو اور یہ شرط لگا دو کہ وہ اصل میں سے کچھ نہ لے سکے۔ اس کے بعد روپے ہمارے ہو جائیں گے۔

کملا کو گویا چوٹ سی لگی۔ بولے ''خوب سوچ لیجیے۔''

بدری پرشاد نے تصفیہ کے لہجہ میں کہا۔ ''خوب سوچ لیا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اسے منظور کرتی ہے یا نہیں۔''

کملا: کیا اس کی منظوری میں بھی کچھ چک ہے؟

بدری پرشاد نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ ''تمہاری یہ بڑی بری عادت ہے کہ تم سب کو خودغرض سمجھنے لگتے ہو۔ کوئی شریف آدمی دوسروں کا احسان سر پر نہیں لینا چاہتا۔ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے۔ گئے گزروں کی بات جانے دو لیکن جن میں خودداری کا ذرا بھی شائبہ ہے' وہ دوسروں سے مدد نہیں لینا چاہتے۔ مجھے تو شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ پورنا کبھی اس پر رضامند نہ ہوگی' وہ محنت مزدوری کرتی گی لیکن جب تک مجبور نہ ہو جائے' ہماری مدد کو بھی قبول نہ کرے گی۔''

پریما نے بڑے جوش سے کہا۔ ''مجھے بھی یہی شبہ ہے' راضی ہو گی بھی تو بڑی مشکل

ہے۔‘‘

بدری: تم اس سے اس کا کل ہی ذکر کرنا۔

پریما: نہیں دادا' مجھ سے نہ بنے گا۔ وہ اور میں دونوں ہی اب تک بہنوں کی طرح رہی ہیں۔ مجھ سے اس فرح کی گفتگو اب کیسے ہوگی' میں تو رونے لگوں گی۔

بدری: تو میں ہی طے کرلوں گا۔ ہاں کل شاید مجھے فرصت نہ ملے' تب تک تمہاری اماں سے باتیں ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ راضی ہو جائیں گی۔

کملا پرشاد خانہ داری کے انتظام میں اپنے کو لاثانی سمجھتے تھے۔ یوں تو عقل میں وہ اپنے کو افلاطون سے روتی بھر بھی کم نہ سمجھتے تھے لیکن خانہ داری میں تو ان کا کمال مسلمہ تھا۔ سینما روز جاتے تھے مگر کیا مجال جو جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ کریں۔ منیجر سے دوستی کر رکھی تھی۔ اس کے یہاں کبھی کبھی دعوت کھا آیا کرتے تھے۔ پیسہ کا کام دھیلوں میں نکالتے تھے اور بڑی خوبصورتی سے۔ کبھی کبھی دعوت کھا آیا کرتے تھے۔ پیسہ کا کام دھیلوں میں نکالتے تھے اور بڑی خوبصورتی سے کبھی کبھی لالہ بدری پرشاد سے اس معاملہ میں ان کی ٹھن بھی جایا کرتی تھی۔ بوڑھے لالہ جی بیٹے کی اس تنگ دلی پر کبھی کبھی کھری کھری کہہ ڈالتے تھے۔ کملا پرشاد سمجھ گئے کہ لالہ جی اس وقت کوئی اعتراض نہ سنیں گے بلکہ اعتراض سے ان پر الٹا ہی اثر پڑے گا اس لیے انہوں نے مصلحت سے کام لینے کا ارادہ کیا۔ علی الصبح پورنا کے دروازے پر جا کر آواز دی۔ پورنا پہلے تو ان سے پردہ کرتی تھی مگر اب بہو بن کر بیٹھنے سے کام نہ چل سکتا تھا' انہیں اندر بلا لیا۔ کملا بابو اندر جا کر چارپائی پر جا بیٹھے۔ ایک لمحہ میں پورنا ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ پورنا کی پیشانی گھونگھٹ سے ڈھکی ہوئی تھی لیکن دونوں نم آنکھیں تشکر سے بھری ہوئی زمین کی طرف تاک رہی تھیں۔

کملا پرشاد اسے دیکھ کر سکتے میں آ گیا۔ وہ اس ارادہ سے آیا تھا کہ اسے کسی طرح یہاں سے ٹال دوں' میکے چلے جانے کی تحریک کروں۔ اسے اس کی ذرا بھی پروانہ تھی کہ آئندہ اس بے کس کا کیا حشر ہو گا۔ اس کی گزر بسر کیسے ہو گی' اس کی حفاظت کون کرے گا؟ وہ اس

وقت اسے یہاں سے ٹال کر اپنے سر کا بوجھ ہٹا دینا چاہتا تھا لیکن اس بیوہ کی بھولی بھالی معصوم صورت دیکھ کر اس تنگ دلی پر غیرت آئی۔ کون آدمی ایسا سنگدل ہے جو کسی گلِ نازک کو توڑ کو بھاڑ میں جھونک دے۔ زندگی میں پہلی بار اس کا دل حسن سے متاثر ہوا۔ اندھیرے گھر میں چراغ جل اٹھا۔ بولا۔ ''تمہیں اب یہاں اکیلے رہنے میں بڑی تکلیف ہوگی۔ ادھر پریما بھی اکیلی گھبرایا کرتی ہے۔ اگر تم بھی جا کر اس کے ساتھ رہو تو کوئی حرج ہے؟'

پورنا سر نیچا کیے ایک لمحہ تک سوچنے کے بعد بولی۔ ''حرج کیا ہے' یہاں بھی تو آپ ہی لوگوں کے بھروسے پڑی ہوں۔''

کملا: تو آج چلی چلو۔ بابو جی کی بھی یہی خواہش ہے۔ میں جا کر آدمیوں کو اسباب لے جانے کے لیے بھیجے دیتا ہوں۔

پورنا: نہیں بابو جی' اتنی جلدی نہ کیجیے۔ سو لینے دیجیے۔

کملا: اس میں سوچنے کی کونسی بات ہے' یہاں اکیلی کیسے پڑی رہوں گی؟

پورنا: اکیلی تو نہیں ہو' مہری بھی یہیں سونے کو کہتی ہے۔

کملا: اچھا' وہ بلّو! ہاں بڑھیا ہے تو سیدھی مگر پڑی ہے۔ خیر میرے گھر چلنے میں تمہیں کیا پس و پیش ہے؟

پورنا: کچھ نہیں۔ پس و پیش کیا ہے؟

کملا: تو آدمیوں کو جا کر بھیج دوں؟

پورنا: بھیج دیجیے گا' ابھی جلدی کیا ہے؟

کملا: تم ناحق اتنا سنکوچ کرتی ہو۔ پورنا! کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارا جانا میرے گھر کے اور لوگوں کو برا معلوم ہوگا؟

کملا کا قیاس درست نکلا۔ پورنا کو واقعی یہی اعتراض تھا مگر وہ لحاظ کے سبب اسے ظاہر نہ کر سکتی تھی۔ اس نے سمجھا' بابو جی نے میرے دل کی بات تاڑ لی' اس سے وہ نادم بھی ہوئی۔ بابو صاحب کے گھر والوں کے متعلق ایسا خیال اسے نہ ہونا چاہئے تھا مگر کملا اپرشاد

نے اس کے پس وپیش کا خاتمہ کر دیا۔ بولے ''تمہارا یہ خیال بالکل قدرتی ہے پورنا! مگر سو چو میرے مکان میں ایسا کون سا آدمی ہے جو تمہاری مخالفت کر سکے۔ بابو جی کی خود ہی یہ خواہش ہے مجھے تم خوب جانتی ہو' پنڈت بسنت کمار سے میری کتنی گہری دوستی تھی۔ یہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ پریما تمہاری سہیلی ہے۔ بابو جی کو تم سے کتنی محبت ہے' یہ تم جانتی ہی ہو۔ رہ گئی سومترا' اسے ذرا برا لگے گا۔ تم سے کوئی پردہ نہیں مگر اس کی باتوں کی پروا کون کرتا ہے۔ اسے خوش رکھنے کا بھی تمہیں الگ گر بتائے دیتا ہوں۔ کبھی کبھی یہ منتر پڑھ دیا کرنا' پھر وہ تمہاری برائی کبھی نہ کرے گی۔ بس اس کی خوبصورتی کی تعریف کر دینا' تم یہ نہ سمجھنا کہ تعریف کرنے سے وہ سمجھ جائے گی کہ یہ مجھے بنا رہی ہے۔ تم چاہے جتنا سراہ لو' وہ اسے ٹھیک ہی سمجھے گی۔ اسی منتر سے میں اسے نچایا کرتا ہوں' وہی منتر تمہیں بتائے دیتا ہوں۔''

پورنا کو ہنسی آ گئی۔ بولی ''آپ تو ان کی ہنسی اڑا رہے ہیں۔ بھلا ایسا کون ہو گا جسے اتنی سمجھ نہ ہو۔''

کملا: اتنی سمجھ کو تم معمولی بات سمجھ رہی ہو تم کو یہ سن کر تعجب ہو گا مگر اپنی تعریف سن کر ہم اتنے متوالے ہو جاتے ہیں کہ پھر ہم میں اچھا برا سمجھنے کی تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔ بڑی سے بڑا مہاتما بھی اپنی تعریف سن کر خوشی سے پھول اٹھتا ہے۔ ہاں تعریف کرنے والے کے لفظوں میں بھگتی (عقیدت) کی جھلک ہونا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شعراء کو جھوٹی تعریفوں کے پل باندھنے کے لیے راجے مہاراجے انعام و اکرام کیوں دیتے۔ بتاؤ' راجہ صاحب طمنچہ کی آواز سن کر چونک پڑتے ہیں۔ کانوں میں انگلی ڈال لیتے ہیں اور گھر میں بھاگتے ہیں مگر دربار کا شاعر انہیں شجاعت میں ارجن اور درونا چارج سے دو ہاتھ اور اونچا اٹھا دیتا ہے تو راجہ صاحب کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ انہیں مطلق یہ خیال نہیں رہتا کہ میرا مضحکہ اڑایا جا رہا ہے۔ ایسی تعریفوں میں ہم الفاظ کو نہیں' ان کے اندر چھپے ہوئے جذبات کو دیکھتے ہیں۔ سمترا رنگ اور روپ میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتی۔ اسے نہ جانے یہ خبط کیسے ہو گا۔ یہ کہتے ہوئے بہت رنج ہوتا ہے پورنا مگر ایسی عورت کے ہاتھوں میری

زندگی خراب ہوگئی ہے۔ مجھے معلوم ہی نہ ہوا کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ میں دنیا کا سب سے زیادہ نصیب آدمی ہوں۔ شاید پچھلے جنم کے گناہوں کا پراشچت کر رہا ہوں۔ سمترا سے بولنے کو جی نہیں کہتا لیکن منہ سے کچھ نہیں کہتا کہ کہیں گھر میں کہرام نہ مچ جائے۔ لوگ سمجھتے ہیں، میں آوارہ ہوں۔ تفریح کے لیے سینما اور تھیٹر جاتا ہوں لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں پرنا۔ میں ان تماشوں میں محض اپنے درد دل کو بھلانے کے لیے جاتا ہوں۔ اپنی گرسنہ آرزوؤں کو اور کیسے سمجھاؤں۔ دل کی آگ کو کیسے بجھاؤں۔ کبھی کبھی جی میں آتا ہے کہ سنیاسی ہو جاؤں اور شاید ایک دن مجھے یہی کرنا پڑے گا۔ تم سمجھتی ہوگی یہ حضرت کہاں کا پچڑا لے بیٹھے۔ معاف کرنا، نہ جانے میں آج کیوں تم سے یہ تذکرہ کرنے لگا۔ آج تک میں نے ان خیالات کو کبھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ حسرت نصیب دل ہی سے ہمدردی کی امید ہوتی ہے، بس یہی سمجھ لو۔ تو میں جا کر آدمیوں کو بھیجے دیتا ہوں تمہارا اسباب اٹھالے جائیں۔

پورنا کو اب کیا گذر ہوسکتا تھا۔ اس کا جی اب بھی یہ گھر چھوڑنے کو نہ چاہتا تھا لیکن اب وہ اس تحریک کو ٹال نہ سکی۔ اسے یہ خوف بھی ہوا کہ میرے انکار سے انہیں ملال نہ ہو۔ اس بے کس کے لیے اس وقت تنکے کا سہارا بھی بہت تھا تو بھلا اس کشتی کو کیسے حقیر سمجھتی لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ وہ اسے پار لے جانے والی کشتی نہیں بلکہ ایک خوفناک دریائی جانور ہے جو اس کی روح کو نگل جائے گا۔

## (5)

پورنا کو اپنے گھر سے نکلتے وقت بہت رنج ہونے لگا۔ اس نے اپنی پر مسرت زندگی کے تین سال اسی گھر میں کاٹے تھے۔ یہیں سہاگ کے سکھ دیکھے اور یہیں رنڈاپے کے دکھ بھی دیکھے۔ اس گھر کو چھوڑتے اس کا دل پھٹا جاتا تھا۔ جس وقت چاروں کہار اس کا اسباب اٹھانے کے لیے گھر میں آئے تو یکا یک رو پڑی۔ اس کے دل میں کچھ ایسے ہی جذبات پیدا ہو گئے۔ جیسے نعش کے اٹھاتے وقت سوگ کرنے والوں کے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ نعش گھر میں نہیں رہ سکتی اور جتنی جلدی اس کا کفن دفن

ہو جائے' اتنا ہی اچھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے اس کی محبت کے جوش میں آ کر اس کے پاؤں سے لپٹ جاتے ہیں اور مایوسی سے پاگل ہو کر دل ہلا دینے والی آواز میں رو پڑتے ہیں۔ یہ گمانِ باطل کہ شاید لاش میں زندگی کے کچھ آثار باقی ہوں' ایک پردہ کی طرح آنکھوں کے سامنے سے دور ہو جاتا ہے اور دنیاوی محبت کا آخری رشتہ شکست ہو جاتا ہے۔ سی طرح پرنا بھی ماک کے ایک گوشہ میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اپنے پیارے سوامی کی یادگار کا یہ سہارا بھی رنج کے بحرِ بے کراں میں غائب ہو گیا اس مکان کا ایک ایک گوشہ اس کے لیے دلکش یادگاروں سے مملو تھا۔ سہاگ کے سورج کے غروب ہو جانے پر بھی یہاں اس مکان کا ایک ایک گوشہ اس کے لیے دلکش یادگاروں سے مملو تھا۔ سہاگ کے سورج کے غروب ہو جانے پر بھی یہاں اس کی کچھ چمک نظر آتی تھی۔ سہاگ کے سہانے گیت کے ختم ہو جانے پر بھی یہاں اس کی گونج اٹھ رہی تھی۔ اس مکان میں ادھر اُدھر چلتے ہوئے اسے اپنے سہاگ کا دکھ بھرا گھمنڈ محسوس ہوتا رہتا تھا۔ آج اس سورج کی آخری چمک مٹی جا رہی تھی۔ آج اس گیت کی وہ ایک گونج' ایک غیر محدود خلا میں ڈوبی جاتی تھی۔ آج وہ گھمنڈ کو چیر کر نکلا جا رہا تھا۔

پڑوس کی عورتوں کو جب معلوم ہوا کہ پورنا یہاں سے جا رہی ہے تو سب اسے رخصت کرنے آئیں۔ پورنا کے اخلاق و انکسار نے سبھی کے قلوب کو مسخر کر لیا تھا۔ پورنا کے پاس دولت نہ تھی مگر میٹھی باتیں تھیں' بشاش چہرہ تھا۔ ہمدردی تھی' خدمت گزاری تھی جو دولت کی بہ نسبت کہیں زیادہ قیمتی جواہر ہیں اور جن کی ضرورت لوگوں کو دولت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ پورنا ان سبھوں سے گلے مل کر رخصت ہوئی۔ گویا لڑکی سسرال جاتی ہو۔

شام کے وقت وہ اپنی مہری بلو کے ساتھ روتی ہوئی اس طرح چلی گویا کوئی جلاوطن ہو۔ پیچھے مڑ مڑ کر اپنے پیارے گھر کو دیکھتی جاتی تھی گویا اس کا دل وہیں رہ گیا ہو!

پریما اپنے دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پورنا کو دیکھتے ہی دوڑ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی۔ اس گھر میں پورنا عموماً روز ہی آیا کرتی تھی۔ یہاں آتے ہی اس کا

دل خوش ہو جاتا تھا مگر آج اس گھر میں قدم رکھتے اس پس و پیش ہو رہا تھا۔ شیاد وہ پچھتا رہی تھی کہ ناحق ہی آئی۔ پریما کے گلے مل کر بھی اس کا دل خوش نہ ہوا۔ تب وہ سہیلی کی حیثیت سے آتی تھی، آج وہ ان کی دستِ نگر بن کر آئی تھی۔ تب اس کا آنا معمولی بات تھا۔ اس کی کوئی خاص آؤ بھگت نہ ہوتی تھی۔ لوگ اس کی پیشوائی کے لیے نہ دوڑتے تھے۔ آج اس کے آتے ہی دیوکی مودی خانہ کا دروازہ کھلا چھوڑ کر نکل آئی۔ سمترا اپنے بال گتھا رہی تھی۔ آدھی گتھی ہوئی چوٹی پر آنچل ڈال کر بھاگی۔ مہریاں اپنے اپنے کام چھوڑ کا نکل آئیں۔ کملا پرشاد تو پہلے ہی آنگن میں کھڑے تھے۔ لالہ بدری پرشاد سند ھیا کرنے جا رہے تھے، اسے ملتوی کر کے آنگن میں آ پہنچے۔ یہ خاطر داریاں دیکھ کر پورنا کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ اس دلجوئی کا باعث اعزاز نہیں، رحم تھا۔

دیوکی سمترا کی کوئی بات نہ بھاتی تھی۔ اس کا ہنسنا بولنا، چلنا پھرنا، پہننا اوڑھنا سبھی انہیں پھوہڑپن کی انتہائی حد سے تجاوز کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا اور وہ ہمیشہ اس کی سخت تنقید کرتی رہتی تھیں۔ ان تنقیدوں میں محبت اور بزرگانہ نصیحت کا رنگ تھا یا منافرت کا، اس کا فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ سمترا تو اسے منافرت ہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے وہ انہیں اور بھی چڑاتی رہتی تھی۔ دیوکی سویرے اٹھنے کی تاکید کرتی تھی۔ سمترا پہروں چڑھے اٹھتی تھی۔ دیوکی گھونگھٹ نکالنے کو کہتی تھی، سمترا اس کے جواب میں آدھا سر کھلا رکھتی تھی۔ دیوکی مہریوں سے احتراز کرنے کی تعلیم دیتی تھی، سمترا مہریوں سے ہنسی دل لگی کرتی تھی۔ دیوکی کو پورنا کا یہاں آنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، سمترا اسے بھانپ گئی۔ پہلے ہی سے اس نے شوہر کی اس تجویز پر ناک سکوڑی تھی۔ یہ جان کر کہ یہ تجویز پوری ہو کر رہے گی، اس نے اس کا اختلاف کر کے اپجس لینا مناسب نہ سمجھا تھا۔ وہ ساس کے دل کا رنگ سمجھ رہی تھی، یہ بھی جانتی تھی کہ پورنا بھی سمجھ رہی ہے۔ اس لیے پورنا سے اسے محبت اور ہمدردی پیدا ہو گئی۔ اب تک دیوکی پورنا کو دکھا کر سمترا کو شرمندہ کرنا چاہتی تھی، اس لیے سمترا پورنا سے جلتی تھی۔ آج دیوکی پورنا سے بے اعتنائی کر رہی تھی، اس لیے سمترا کا اس سے بہناپا ہو جانا لازم ہو گیا۔

پورنا آج بہت دیر تک پریما کے پاس نہ بیٹھی۔ دل بہت اداس تھا۔ آج اسے اپنی حالت کا اندازہ ہوا تھا۔ اتنی جلدی اس کی حالت کیا سے کیا ہو گئی تھی' یہ آج اس کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ یہ گھر اس کے کھپریل والے گھر سے کہیں زیادہ آرام دہ تھا۔ اس کے کمرہ میں فرش تھا' چارپائی تھی' الماریاں تھیں' برقی روشنی تھی' پنکھا تھا مگر اس وقت بجلی کی روشنی اس کی آنکھوں میں چبھ رہی تھی اور پنکھے کی ہوا شعلہ کی طرح جسم کو جھلسائے ڈالتی تھی۔ پریما کے بہت اصرار کرنے پر بھی وہ آج کچھ بھی نہ کھا سکی۔ تقدیر اس کے ساتھ کیسا کھیل کھیل رہی تھی۔ اس کے سرتاج کو اس کے ہاتھ سے چھین کر اب اس کو کھلونے سے خوش کرنا چاہتی تھی۔ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ کر اسے سہانے منظر کی سیر کرا رہی تھی۔ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ کر اسے سہانے منظر کی سیر کرا رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ کر جل بہار کرنے کے لیے اتھاہ سمندر میں دھکیل رہی تھی۔

دفعتاً سمترا نے آ کر پوچھا۔ ''ارے تم تو وہاں کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو۔ میں نے سمجھا تھا' تمہیں نیند آ گئی ہو گی۔''

پورنا نے آنسو پونچھ ڈالے اور آواز سنبھال کر کہا۔ ''یہ تو تم جھوٹ کہتی ہو بہن۔ یہ سوچتی تو تم آتی کیوں؟''

سمترا نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''سوچا تو یہی تھا۔ سچ کہتی ہوں مگر نہ جانے کیوں چلی آئی شاید تمہیں سوتا دیکھ کر لوٹ جانے ہی کے لیے آئی تھی۔ سچ کہتی ہوں' اب لیٹو نا' رات تو بہت ہو گئی۔''

پورنا نے کچھ متفکر ہو کر پوچھا۔ ''تم اب تک کیسے جاگ رہی ہو؟''

سمترا: تمام دن سویا جو کرتی ہوں۔

پورنا: تو کیوں سوتی ہو تمام دن؟

سمترا: یہی رات کو جاگنے کے لیے!

سمترا ہنسنے لگی۔ ایک لمحہ میں یکا یک اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ بولی ''اپنے ماں باپ کی

زر پرستی کا پراشچت کر رہی ہو بہن اور کای۔'' یہ کہتے کہتے وہ آبدیدہ ہوگئی۔

پورنا یہ سن کر متحیر ہوگئی۔ اس کی زندگی کے نغمہ شیریں میں یہ کرخت آواز کیوں؟

سمترا کسی اندوری تکلیف سے بے قرار ہوکر بولی۔ ''تم دیکھ لینا بہن! ایک روز یہ محل ڈھے جائے گا۔ یہ بد دعا میرے منہ سے بار بار نکلتی ہے۔''

پورنا یہ سن کر متحیر ہوگئی۔ اس کی زندگی کے نغمہ شیریں میں یہ کرخت آواز کیوں؟

سمترا کسی اندرونی تکلیف سے بے قرار ہوکر بولی۔ ''تم دیکھ لینا بہن! ایک روز یہ محل ڈھے جائے گا۔ یہ بدد میرے منہ سے بار بار نکلتی ہے۔''

پورنا نے تعجب سے کہا۔ ''ایسا کیوں کہتی ہو بہن!'' پھر اسے ایک بات یاد آ گئی' پوچھا'' 'کیا ابھی بھیا جی نہیں آئے؟''

سمترا دروازہ کی طرف خوف زدہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی:

''ابھی نہیں' بارہ ہی تو بجے ہیں' اتنی جلدی کیوں آئیں گے؟ نہ ایک' نہ دو' نہ تین۔ میرا بیاہ تو اس محل سے ہوا ہے۔ لالہ بدری پرشاد کی بہو ہوں۔ اس سے زیادہ سکھ کا خیال کون کرسکتا ہے؟ بھگوان نے کس لیے مجھے جنم دیا' سمجھ میں نہیں آتا۔ اس گھر میں میرا کوئی اپنا نہیں ہے بہن! میں زبردستی پڑی ہوئی ہوں۔ میرے مرنے جینے کی کسی کو پروا نہیں ہے۔ تم سے یہی التجا ہے کہ مجھ پر رحم کرنا۔ ٹوٹے ہوئے تاروں سے میٹھے سُر نہیں نکلتے۔ تم سے نہ جانے کیا کیا کہوں گی۔ کسی سے کہہ نہ دینا۔ نہیں تو اور مصیبت میں پھنس جاؤں گی۔ ہم دونوں دکھیا ہیں۔ تمہارے دل میں میٹھی یادیں ہیں۔ میرے دل میں وہ بھی نہیں۔ میں نے سکھ دیکھا ہی نہیں اور نہ دیکھنے کی امید رکھتی ہوں۔''

پورنا نے ایک لمبی سانس کھینچ کر کہا۔ ''میری تقدیر سے اپنی تقدیر کا مقابلہ نہ کرو بہن! دست نگری سے بڑی مصیبت بدنصیبی کے بھی خزانے میں نہیں ہے۔''

سمترا سوکھی ہنسی ہنس کر بولی۔ ''وہ مصیبت کیا میرے سر نہیں ہے بہن! اگر مجھے کہیں ٹھکانا ہوتا' اس گھر میں لمحہ بھر بھی نہ رہتی۔ سینکڑوں بار والدین کو لکھ چکی ہوں کہ مجھے بلا لو'

میں عمر بھر تمہاری خدمت کرتی رہوں گی مگر انہوں نے بھی میری طرف سے اپنا دل سخت کر لیا ہے۔ جواب میں نصیحتوں کا ایک دفتر آ جاتا ہے جسے میں کبھی نہیں پڑھتی۔ اس گھر میں صرف میرے سسر ہیں جنہیں ایشور نے دل دیا ہے اور سب کے سب پتھر کے دیوتا ہیں۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں بہن! مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ یہ حضرت کیوں اتنی رات گئے گھر کو آتے ہیں یا ان کا دل کسی اور سے اٹکا ہوا ہے۔ اگر آج مجھے معلوم ہو جائے کہ کسی کی محبت میں گرفتار ہو جا گئے ہیں تو میری آدھی تکلیف مٹ جائے۔ میں موسلوں سے ڈھول بجاؤں۔ مجھے تو یہ رونا ہے کہ ان کے دل ہی نہیں بلکہ دل کی جگہ خود غرضی کا ایک روڑا رکھا ہوا ہے۔ نہ کتابوں سے دلچسپی' نہ گانے سے' نہ کھیل سے۔ دلچسپی ہے صرف پیسے سے! مجھے تو یقین نہیں کہ انہیں سینما میں مزا آتا ہوگا' وہاں بھی کوئی نہ کوئی غرض ہے۔ لین دین' سوائے' ڈیوڑھے' گھاٹے' نفع میں ان کی جان بسی رہتی ہے اور مجھے ان باتوں سے نفرت ہے۔ کمرے میں آتے ہیں تو پہلی بات جوان کے منہ سے نکلتی ہے' وہ یہ ہے کہ بتی ابھی تک کیوں نہیں بجھائی۔ وہ دیکھو سواری آ گئی۔ اب گھنٹے دو گھنٹے کفایت کی نصیحت سننی پڑے گی۔ یوں میں روپیہ بچ نہیں کر سکتی! پتاجی (والد صاحب) مہینے میں چالیس' پچاس روپے بھیج دیتے ہیں ورنہ اس گھر کی کانی کوڑی بھی نہ ملے۔ میری جو خواہش ہوتی ہے' کرتی ہوں۔ سو بھی آپ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس پر بھی کئی بار جھگڑا ہو چکا ہے۔ سونے لگنا تو بتی بجھا دینا بہن! جاتی ہوں۔"

مستمرا چلی گئی۔ پورنا نے بتی بجھا دی اور لیٹی مگر نیند کہاں؟ آج ہی اس نے مکان میں قدم رکھا تھا اور آج ہی اس کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہو رہا تھا۔ یہ یقینی تھا کہ وہ بہت دن یہاں نہ رہے گی۔

## (6)

لالہ بدری پرشاد کے لیے امرت رائے سے اب کوئی واسطہ رکھنا غیر ممکن تھا' شادی تو دوسری ہی بات تھی۔ سماج میں اتنی زبردست بداخلاقی کا موید بن کر امرت رائے نے خود کو

ان کی نظروں سے گرا دیا تھا۔ ان سے اب کسی قسم کا تعلق پیدا کرنا بدری پرشاد کے لیے ذلت کی بات تھی۔ امرت رائے کے بعد دان ناتھ سے بہتر شخص انہیں کوئی اور نہ نظر پڑا۔ زیادہ پرسش و جستجو کرنے کا اب موقع بھی نہ تھا۔ امرت رائے کے انتظار میں پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی، برادری میں لوگ انگشت نُمائی کرنے لگے تھے۔ نئے شخص کی جستجو میں شادی کے ایک غیر معین وقت تک ٹل جانے کا اندیشہ تھا۔ اس کے لیے دل کو اُدھر ادھر نہ دوڑا کر انہوں نے دان ناتھ ہی کے ساتھ عقد پختہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ دیوکی نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ پریما نے اس معاملے میں لاپروائی ظاہر کی۔ اب اس کے لیے سبھی مرد برابر تھے اور ہر کسی کے ساتھ زندگی نباہ کر سکتی تھی۔ اس کی چلتی تو وہ دوشیزہ ہی رہنا پسند کرتی مگر جو ان لڑکی بیٹھی رہے، یہ خاندان کے لیے بدنامی کی بات تھی۔ اسی معاملہ میں وہ کسی قسم کی بے جا ضد کر کے اپنے والدین کا دل نہ دکھانا چاہتی تھی۔

جس دن امرت رائے نے وہ زبردست عہد کیا، اسی دن پریما نے سمجھ لیا کہ اب زندگی میں میرے لیے سکھ کا خاتمہ ہو گیا مگر بن بیاہی رہ کر اپنا مضحکہ کرانے کی بہ نسبت کسی کی ہو کر رہنا کہیں زیادہ بہتر تھا۔ آج سے دو تین برس قبل دان ناتھ ہی سے اس کے بیاہ کی بات چیت ہو رہی تھی، اسے وہ جانتی ہی تھی۔ درمیان میں حالات تبدیل نہ ہو گئے ہوتے تو آج وہ دان ناتھ کے گھر میں ہوتی۔ دان ناتھ کو وہ کئی بار دیکھ بھی چکی تھی۔ اس میں محبت ہے، شرافت ہے اور علمیت ہے۔ یہ باتیں اسے معلوم تھیں۔ ان کی نیک چلنی پر بھی کسی کو شبہ نہ تھا۔ وہ دیکھنے میں بھی بہت سجے گھٹے آدمی تھے۔ برہمچریہ (تجرد) کی رونق چہرہ پر نمایاں تھی۔ اُنہیں اُس سے محبت تھی۔ یہ راز بھی پریما سے مخفی نہ تھا۔ آنکھیں دل کے راز کو آشکار کر ہی دیتی ہیں۔ امرت رائے نے مذاق ہی مذاق میں پریما سے اس کا تذکرہ بھی کر دیا تھا۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی پریما کو ان کا کچھ خیال تھا۔ وہ اتنا ہی کہ وہ امرت رائے کے دلی دوست ہیں، ان میں بڑی محبت ہے، وہ دولت مند نہیں تھے مگر یہ کوئی عیب نہ تھا کیونکہ پریما شوقین نہ تھی۔ کیوں اس کا دل امرت رائے کی طرف رجوع ہوتا تھا۔ اس کا

کوئی خاص سبب اس کو نہ معلوم ہوتا تھا مگر اسی حالت میں اس کے لیے کوئی اور تدبیر نہ تھی۔ اب تک اس نے دان ناتھ کو کبھی اس نگاہ سے نہ دیکھا تھا مگر اب دل میں وہ جگہ خالی ہو جانے کے بعد دان ناتھ کو وہاں بٹھانے میں اسے تکلیف نہیں ہوئی۔ اس نے دل کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ دان ناتھ سے محبت بھی کر سکتی ہے' بدری پرشاد شادی کے معاملے میں اس کی رضامندی ضروری سمجھتے تھے۔ پریما تیار تھی' اس لیے دان ناتھ کے پاس پیغام بھیج دیا۔

دان ناتھ اب بڑے شش و پنج میں پڑے' یہ پیغام پاتے ہی انہیں خوشی سے پھول اٹھنا چاہیے تھا مگر یہ بات نہ ہوئی۔ انہیں اپنی منظوری لکھ بھیجنے میں ایک ہفتہ سے زیادہ لگ گیا طرح طرح کے اندیشے ہوتے تھے۔ وہ پریما کو خوش رکھ سکیں گے؟ اس کے دل پر قابو پا سکیں گے؟ ایسا تو نہ ہوگا کہ زندگی وبال ہو جائے؟ ان کا دل ان سوالات کا بہت ہی تشفی بخش جواب دیتا تھا۔ محبت میں اگر دل کو کھینچنے کی طاقت ہے تو وہ ضرور کامیاب ہوں گے لیکن اخلاقی اعتبار سے انہیں اپنا طرزِ عمل دوستی ہی کے خلاف نہیں' شرافت نے خلاف نہیں' شرافت کے خلاف معلوم ہوتا تھا۔ اپنے جان سے زیادہ پیارے دوست کی بے نفسی سے فائدہ اٹھانے کا خیال انہیں پریشان کر دیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا' گویا اس کا گھر جل رہا ہے اور وہ تاپ رہے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ پریما سے جتنی محبت مجھے ہے' اتنی امرت رائے کو نہیں ہے۔ اس کے بغیر انہیں اپنی زندگی خشک معلوم ہوتی تھی۔ ان کا میلان متاہل زندگی کی جانب تھا۔ خدمت کے جذبات ان کی فطرت میں نہ تھے۔ نام و نمود کی تمنا بھی نہ تھی۔ ایثار کا ذکر تو بہت دور کی بات تھی۔

بالآخر بہت غور و خوض کے بعد انہوں نے بھی طے کیا۔ ایک بار امرت رائے کو پھر ٹٹولنا چاہیے۔ اگر اب بھی وہ ان کے رائے تبدیل کر سکے تو عین خوشی کی بات ہوگی۔ زندگی کی مسرت تو تمنا میں ہے' بالفرض یہ خواہش پوری ہوئی تو کوئی دوسری آ کھڑی ہوگی۔ جب ایک نہ ایک خواہش کا موجود رہنا یقینی ہے تو یہی کیوں نہ رہے۔ اس سے اور مسرت انگیز

دوسری کون سی خواہش ہو سکتی ہے؟ اس کے سوا یہ اندیشہ بھی تو تھا کہ کہیں زندگی کا یہ ناٹک فراقیہ نہ ثابت ہو۔ پہلی محبت کتنی لافانی ہوتی ہے، اسے وہ خوب جانتے تھے۔

آج کل کالج تو بند تھا مگر دان ناتھ ''ڈاکٹر'' کے لقب کے لیے ایک کتاب لکھ رہے تھے۔ کھانا کھا کر کالج چلے جاتے تھے۔ یہاں کتب خانے میں بیٹھ کر جتنی آسانیاں تھیں، وہ مکان پر نہ ہو سکتی تھی۔ آج وہ تمام دن کتب خانے میں بیٹھے رہے مگر نہ تو ایک حرف لکھا اور نہ ایک اسطر پڑھی۔ انہوں نے وہ مشکل کام کر ڈالنے کا آج تہیہ کر لیا تھا جسے وہ کئی روز سے ٹالتے آرہے تھے۔ کیا کیا باتیں ہوں گی۔ دل میں یہی سوچتے ہوئے وہ امرت رائے کے بنگلے پر جا پہنچے۔ آفتاب پھولوں اور پتیوں پر اپنی آخری برکت برکت کی زرّین بارش کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ ٹمٹم تیار کھڑی تھی مگر امرت رائے کا پتہ نہ تھا نوکر سے پوچھا تو معلوم ہوا کمرے میں ہیں۔ کمرے کے دروازے کا پردہ اٹھاتے ہی بولے ''بھلے آدمی تمہیں گرمی بھی نہیں لگتی، یہاں سانس لینی مشکل ہے اور آپ بیٹھے ہوئے چپسیا کر رہے ہیں۔''

روشنی کی ایک باریک شعاع چق کے اندر جاتی ہوئی امرت رائے کے چہرے پر پڑی۔ دان ناتھ چونک پڑے۔ وہ چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آٹھ دس روز قبل جو رونق تھی، اس کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ گھبرا کر کہا۔ ''یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ کہیں لو تو نہیں لگ گئی؟ کیسی طبیعت ہے؟''

امرت رائے نے دان ناتھ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ایسا بھی کبھی ہوا ہے کہ تم نے مجھے دیکھ کر یہ کہا، آج کل تم خوب تندرست ہو۔ تمہیں تو میں ہمیشہ ہی بیمار نظر آتا ہوں۔ ہر مرتبہ بیشتر سے زیادہ، جیتا کیسے ہوں، یہ ایشور ہی جانے! مگر ذرا اپنی صورت تو دیکھ۔ دنیا بھر کے اصولوں کو چاٹے بیٹھے ہو مگر اتنا نہیں ہو سکتا کہ شام کو سیر ہی کر لیا کرو۔''

دان ناتھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس ٹمٹم ہوتی تو سارا دن دوڑاتا۔ گھوڑا بھی یاد کرتا کسی کے پالے پڑا تھا۔ پیادہ پا تو مجھے گھومنے میں لطف نہیں آتا۔ تمہیں دنیا میں بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ تم جسم کی حفاظت کرو، تمہیں نے تو دنیا کی نجات کا ٹھیکہ لیا

ہے۔ یہاں کیا ایک روز چپکے سے چل دینا ہے۔ چاہتا تو میں بھی ہوں کہ با قاعدہ زندگی بسر کروں مگر جب نبھ جاوے تب تو۔ کتنی بار ڈنڈ‘ مگدر‘ ڈنبل شروع کیا مگر کیا کبھی نبھا سکا؟ آخرت سمجھ گیا کہ تندرستی میرے لیے ہی نہیں‘ پھر اس کے لیے کیوں مفت حیران ہوں؟ اتنا جانتا ہوں کہ دائم لوگوں کی عمریں طویل ہوتی ہیں۔ تم سال میں ایک بار ملیریا کے موسم میں مر کے جیتے ہو۔ تمہیں بخار آتا ہے تو سیدھا 106 درجہ جا پہنچتا ہے۔ مجھے ایک تو بخار آتا ہی نہیں اور آیا بھی تو 101 درجہ سے آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہیں کرتا۔۔۔ دیکھ لینا تم مجھ سے پہلے رخصت ہو گے۔ حالانکہ میری دلی تمنا یہی ہے کہ تمہاری گود میں میری جان نکلے۔ اگر تمہارے سامنے مروں تو میری یادگار ضرور قائم کرنا۔ تمہاری یادگار قائم کرنے والے تو بہت نکل آئیں گے مگر میری دوڑ تو تمہیں تک ہے! میری عظمت سے اور کون واقف ہے؟“

ان شرارت آمیز الفاظ میں مذاق کے ساتھ کتنا لگاؤ‘ کتنی زبردست محبت بھری ہوئی تھی کے دونوں ہی دوستوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دان ناتھ تو مسکرا پڑے مگر امرت رائے کا چہرہ متین ہو گیا۔ دان ناتھ ہنس مکھ تھے مگر مذاق کا طرز سوزِ باطن کا پتہ دے رہا تھا۔ امرت رائے نے پوچھا ”لالہ بدری پرشاد کے یہاں سے کوئی پیغام آیا؟ تم تو ادھر کئی روز سے دکھائی ہی نہیں دیئے‘ میں سمجھ گیا کہ وہاں اپنا رنگ جما رہے ہو گے‘ اسی لیے گیا بھی نہیں۔“

امرت رائے نے اس معاملہ کو خود ہی چھیڑ کر دان ناتھ پر بڑا احسان کیا ورنہ وہ یہاں گھنٹوں گپ شپ کرتے رہنے پر بھی وہ بات زبان پر نہ لا سکتے۔ اب بھی ان کے بشرہ سے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ تذکرہ فضول چھڑ گیا۔ بڑے تامل کے ساتھ بولے۔ ”ہاں پیغام تو آیا ہے مگر میں نے جواب دے دیا۔“

امرت رائے نے گھبرا کر پوچھا۔ ”کیا جواب دے دیا؟“

دان ناتھ: جو میرے جی میں آیا۔

امرت: آخر سنوں تو کہ تمہارے جی میں کیا آیا؟

دان ناتھ: یہی کہ مجھے منظور نہیں۔

امرت: یہ کیوں بھئی' کیا پریما تمہارے قابل نہیں ہے؟

دان ناتھ: نہیں' یہ بات نہیں۔ میں خود اس قابل نہیں ہو۔

امرت رائے نے تیز لہجہ میں کہا۔ ''اس کے قابل نہیں ہو تو اتنے دنوں سے اس کے لیے پتسیا کیوں کر رہے ہو؟ میں درمیان میں نہ آپڑتا تو اس میں بھی کیا کوئی شبہ ہے کہ اس سے تمہارا وقد ہو گیا ہوتا؟ میں نے دیکھا کہ تم اس کے غم میں اپنی زندگی برباد کیے ڈالتے ہو۔ تم نے کتنے ہی پیغام لوٹا دیئے حتیٰ کہ مجھے اس کے سوائے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ تمہارے راستہ سے ہٹ جاؤں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اس کی جدائی میں گھلتے گھلتے کہیں تم ایک دن مجھے تنہا چھوڑ کر چلتا دھندا نہ کرو۔ میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ میں اس صدمے کو برداشت کر سکتا ہوں مگر تم نہیں برداشت کر سکتے۔ بھلے آدمی تمہارے لیے تو میں نے اپنے دل پر اتنا بڑا اجبر کیا اور اب تم کاوے کاٹ رہے ہو۔ اب اگر تم نے ذرا بھی چون وچرا کی تو میں تمہیں مارہی والوں گا سمجھ لینا۔ چپکے سے میری ٹمٹم پر بیٹھو اور لالہ بدری پرشاد کے پاس کا جر معاملہ طے آؤ۔''

دان ناتھ نے برقی بٹن دباتے ہوئے کہا۔ ''تم اس کام کو جتنا آسان سمجھتے ہو' اتنا آسان نہیں' کم از کم میرے لیے۔''

امرت رائے نے دوست کے چہرے کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ ''میں یہ جانتا ہوں' بے شک آسان نہیں ہے۔ میں ہی ایک رکاوٹ ڈالنے والا تھا۔ میں اب بھی ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ میں نے ایک بار جو بات ٹھان لی' وہ ٹھان لی۔ اب برہما بھی اتر آئیں تو مجھے منحرف نہیں کر سکتے۔ پنڈت امرناتھ کا کہنا میرا دلنشین ہو گیا' مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پریما ہی نہیں' کسی بھی دوشیزہ سے شادی کرنے کا مجھے حق نہیں۔ ایشور نے وہ حق مجھ سے چھین لیا۔ پریما جیسی بیش بہا جنس کو پا کر چھوڑ دینے کا مجھے کتنا رنج ہو رہا ہے'

یہ میں ہی جانتا ہوں اور کچھ کچھ تم بھی جانتے ہو مگر اس رنج میں خواہ میری جان ہی جاتی رہے' جس کا کوئی امکان نہیں ہے تو بھی اپنی اس زندگی میں پریما کو داخل نہیں ہونے دوں گا۔ اب تم میری طرف سے مطمئن ہو گئے۔''

دان ناتھ اب بھی مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ ان کے دل میں ایک نہیں سینکڑوں رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں۔ یہ سمجھ کر کہ یہ نئی بات سن کر امرت رائے ہنس نہ پڑیں' وہ خود ہنس کر بولے۔ ''مجھ جیسے چھچھورے کو پریما قبول کرے گی' یہ بھی خیال آیا ہے آپ جناب کو؟''

امرت رائے نے زور سے قہقہہ لگایا۔ بھئی واہ کیا بات سوجھی ہے' مانتا ہوں! ارے احمق داس' جب لالہ بدری شاد نے تمہاری یہاں پیغام بھیجا تو سمجھ لو کہ انہوں نے پریما سے دریافت کر لیا ہے۔ ایسا کیے بغیر وہ کبھی پیغام نہ بھیجتے۔ لڑکی کو اعلیٰ تعلیم دینے کا کنارہ تو انہیں بھی کرنا ہی پڑتا ہے۔ چند باتوں میں تو وہ ہم لوگوں سے بھی زیادہ فراخ دل ہیں اور چند باتوں میں جہلا سے بھی پست تر۔ پردے سے انہیں چڑ ہے' یہ جانتے ہی ہو بد سلوکی ان کی آنکھوں میں بدترین اخلاقی گناہ ہے۔ تمہارا یہ اندیشہ تو بے بنیاد ثابت ہوا۔ ہاں یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ پریما کو تم سے محبت کے معنی ہی ہیں ''شوہر پرستی۔'' محبت کی کسی دوسری صورت سے وہ واقف ہی نہیں ہے اور شاید واقف ہو گی' مجھ سے اس کو اس لیے محبت تھی کہ وہ مجھے اپنا ہونے والا شوہر خیال کرتی تھی۔ پس اس کی محبت اس فرض شناسی پر محمول ہے۔ ایسے فضول اندیشوں میں مفت دن گزار رہے ہو۔ یہ سہا لگ نکل جائے گا تو پھر ایک سال امیدواری کرنی پڑے گی۔

دان ناتھ فکر میں ڈوب گئے۔ اگرچہ ان کے اعتراضوں کی تردید ہو چکی تھی مگر اب بھی ان کے دل میں ایسی متعدد باتیں تھیں جنہیں وہ ظاہر نہ کر سکتے تھے۔ شک دلیل سے دور ہو جانے پر بھی بالکل مٹ نہیں جاتا۔ دوست سے بے وفائی کا خیال ان کے دل میں کچھ اس قدر چھپ کر بیٹھا ہوا تھا کہ اس پر کوئی حربہ کارگر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

دفعتاً رائے نے گھنٹی بجائی' ایک بڈھا آدمی سامنے آ کر کھڑا ہو گا۔ امرت رائے نہ لالہ

بدری پرشاد کے نام ایک خط لکھا اور دان ناتھ سے بولے۔ ''اس پر دستخط کر دو۔''

دان ناتھ دریچہ کے سامنے کھڑے سگار پی رہے تھے' پوچھا:

''کیسا خط؟''

امرت: پڑھ لونا' سامنے تو ہے۔

دان: تم میری گردن پر چھری چلا رہے ہو۔

امرت: بس چپکے سے دستخط کر دو۔ مجھے ایک جلسہ میں جانا ہے' دیر ہو رہی ہے۔

دان: گولی ہی کیوں نہ مار دو کہ ہمیشہ کا جھنجھٹ مٹ جائے۔

امرت: بس اب چیں چپڑ نہ کرو ورنہ یاد رکھو' پھر تمہاری صورت نہ دیکھوں گا۔

یہ دھمکی اپنا کام کر گئی' دان ناتھ نے خط پر دستخط کر دیئے اور تب بگڑ کر بولے۔ ''دیکھ لینا' میں آج سنکھیا کھا لیتا ہوں کہ نہیں' یہ خط دھرا ہی رہ جائے گا۔ سویرے ''رام نام ست'' ہوگا۔''

امرت رائے نے خط لفافہ میں بند کر کے بوڑھے کو دیا۔ بدری پرشاد کا نام سنتے ہی بوڑھا مسکرایا اور خط لے کر چلا گیا۔

تب امرت رائے نے ہنس کر کہا۔ ''سنکھیا نہ ہو تو میں دے دوں گا۔ ایک بار کسی دوا میں ڈالنے کے لیے منگوایا تھا۔'' دان ناتھ نے بگڑ کر کہا۔ ''میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔ تم ہمیشہ سے مجھ پر حکومت کرتے آئے ہو اور اب بھی کرنا چاہتے ہو لیکن اب مجھ پر تمہارا کوئی داؤ نہ چلے گا۔ آخر میں بھی تو کوئی چیز ہوں۔''

امرت رائے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے۔

(7)

لالہ بدری پرشاد کو دان ناتھ کا خط کیا ملا' صدمہ کے ساتھ ہی ذلت بھی ملی۔ وہ امرت رائے کی تحریر پہچانتے تھے۔ اس خط کی ساری عاجزی اور التجا اس تحریر میں گم ہو گئی۔ غصہ

سے ان کا دماغ گرم ہو گیا۔ دان ناتھ کے ہاتھ کیا ٹوٹ گئے تھے جو اس نے امرت رائے سے یہ خط لکھایا؟ کیا اس کے پیروں میں مہندی لگی تھی جو یہاں تک نہ آ سکتا تھا اور یہ امرت رائے بھی کتنا بے حیا ہے! وہ ایسا خط کس طرح لکھ سکتا۔ ذرا شرم نہ آئی۔

اب تک لالہ بدری پرشاد کو کچھ کچھ امید تھی کہ شاید امرت رائے کا جوش میں کیا ہوا عہد کچھ مدھم پڑ جائے۔ تحریر دیکھ کر پہلے وہ یہی سمجھتے تھے کہ امرت رائے نے معافی مانگی ہو گی لیکن خط پڑھا تو امید کا وہ ایک رشتہ بھی منقطع ہو گیا۔ دان ناتھ کا خط پا کر شاید وہ امرت رائے کو بلا کر دکھاتے اور ان کے جذباتِ حسد کو مشتعل کر کے اپنے پنجے میں لانے کی کوشش کرتے۔ اس امید کی بھی دھجیاں اڑ گئیں' اس جلے پر نمک چھڑک دیا امرت رائے کی تحریر نے۔ غصہ سے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انہوں نے دان ناتھ کو یہ خط لکھا۔

لالہ دان ناتھ جی! آپ نے امرت رائے سے یہ لکھا کر میری اور پریما کی جتنی توہین کی ہے' اس کا آپ مطلق اندازہ نہیں کر سکتے۔ مناسب تو یہی تھا کہ میں اسے پھاڑ کر پھینک دیتا اور آپ کو کوئی جواب نہ دیتا لیکن۔۔۔۔

یہیں تک لکھنے پائے تھے کہ دیوکی نے آ کر بڑے شوق سے پوچھا۔ ''کیا لکھا ہے امرت رائے نے؟''

بدری پرشاد نے کاغذ کی طرف سر جھکائے ہوئے کہا۔ ''ان کا کوئی خط نہیں آیا۔''

دیوکی: چلو کوئی خط نہیں آیا میں نے کوٹھے پر سے دیکھا۔ ان کا آدمی ایک خط لیے آ رہا تھا۔

بدری: ہاں آدمی تو انہیں کا تھا مگر خط تھا دان ناتھ کا! اسی کا جواب لکھ رہا ہوں۔ حضرت نے امرت رائے سے لکھوایا ہے اور نیچے اپنے دستخط کر دیئے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے لکھتے شرم آتی تھی۔ بے ہودہ' شہدا۔

دیوکی: خط میں تھا کیا؟

بدری: یہ پڑا تو ہے' پڑھ کیوں نہیں لیتیں؟

دیوکی نے خط پڑھ کر کہا۔ ''تو اس میں اتنا بگڑنے کی کون سی بات ہے؟ ذرا دیکھوں سرکار نے اس کا کیا جواب لکھا ہے۔''

بدری: لو دیکھو' ابھی تو شروع کیا ہے۔ ایسی خبر لوں گا کہ بچہ سارا شہدا پن بھول جائیں۔

دیوکی نے بدری پرشاد کا خط پڑھا اور پھاڑ کر پھینک دیا۔

بدری پرشاد نے کڑک کر پوچھا۔ ''پھاڑ کیوں ڈالا؟ تم کون ہوتی ہو' میرا خط پھاڑنے والی؟''

دیوکی: تم کون ہوتے ہو ایسا خط لکھنے والے؟ امرت رائے کو کھو کر کیا جی بھر نہیں پایا جواب دانو کو بھی کھو دینے کی فکر کرنے لگے۔ تمہارے خط کا نتیجہ یہی ہوگا کہ دانو پھر تمہیں اپنی صورت کبھی نہ دکھائے گا۔ زندگی تو میری لڑکی کی خراب ہوگی' تمہارا کیا بگڑے گا؟

بدری: ہاں اور کیا' لڑکی تو تمہاری ہے' میری تو کوئی ہوتی نہیں۔

دیوکی: آپ کی کوئی ہوتی تو اسے کنوئیں میں دھکیلنے کو یوں تیار نہ ہو جاتے' یہاں دوسرا کون لڑکا ہے پریما کے لائق' ذرا سنوں۔

بدری: دنیا لائق لڑکوں سے خالی نہیں ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر پڑے ہوئے ہیں۔

دیوکی: پاس کے دو تین شہروں میں تو کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ ہاں باہر کی میں نہیں کہتی۔ ستو باندھ کر کھوجنے نکلو گے تو معلوم ہوگا۔ برسوں دوڑتے گزر جائیں گے' پھر بے جانے پہچانے گھر میں لڑکی کون بیاہے گا اور پریما کیوں ماننے لگی؟

بدری: اس نے اپنے ہاتھ سے کیوں نہیں لکھا؟ میرا تو یہ کہنا ہے۔ کیا اسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ اس سے میری کتنی توہین ہوئی۔ سارے امتحانات تو پاس کیے بیٹھا ہے' ڈاکٹر بھی ہونے جا رہا ہے۔ کیا اسے اتنا بھی نہیں معلوم۔ صاف بات ہے کہ دونوں مل کر میری توہین کرنا چاہتے ہیں۔

دیوکی: ہاں شہدے تو ہیں ہی' تمہاری توہین کرنے کے سوا اور ان کا کام ہی کیا ہے؟

صاف بات تو ہے اور تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ نہ جانے عقل تقسیم ہوتے وقت تم چلے گئے تھے۔] چاس کے ہوئے اور اتنی موٹی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔

بدری پرشاد نے ہنس کر کہا۔ ''میں تمہیں کھوجنے گیا تھا۔''

دیوکی اُدھیڑ عمر ہونے پر بھی خوش مذاق تھی بولی ''واہ میں پہلے ہی پہنچ کر کئی حصے اڑا لے گئی تھی۔ دونوں میں کتنی دوستی ہے۔ یہ تو جانتے ہی ہو۔ دان ناتھ لحاظ سے خود نہ لکھ سکا ہوگا۔ امرت بابو نے سوچا ہوگا کہ لالہ جی کوئی اور لڑکا نہ ٹھیک کرنے لگیں اس لیے یہ خط لکھ کر دانو سے جبراً دستخط کرا لیے ہوں گے۔''

بدری پرشاد نے خفت سے کہا۔ ''اتنا تو میں بھی سمجھتا ہوں کیا ایسا گنوار ہوں؟''

دیوکی: تب کس لیے اتنا جامہ سے باہر ہو رہے تھے؟ بلا کر کہہ دو منظور ہے۔ بیچاری بڑھی ماں کے بھاگ کھل جائیں گے۔ مجھے تو اس پر ترس آتا ہے۔

بدری: مجھے اب یہ افسوس ہو رہا ہے کہ پہلے ہی دانو سے کیوں نہ بیاہ کر دیا۔ اتنے دنوں تک کیوں امرت رائے کا منہ تاکتا رہا۔ آخر وہی کرنا پڑا۔

دیوکی: تقدیر کو کون جانتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ دانو نے پریما کے لیے تپسیا بھی بہت کی۔ تو اب تک کبھی کی اس کی شادی ہو گئی ہوتی' کہاں سے پیغام نہیں آئے۔ رشتہ داروں نے کتنا سمجھایا مگر اس نے ہاں نہ کی۔ پریما اس کے دل میں بسی ہوئی ہے۔

بدری: لیکن پریما اسے قبول کرلے گی' پہلے یہ تو تجویز کرلو ایسا نہ ہو' میں یہاں منظور کر لوں اور پریما انکار کر دے۔ اس بارے میں اس کی منظوری لے لینی چاہئے۔

دیوکی: پھر تم مجھے چڑانے لگے! دانو میں کونسی برائی ہے جو وہ انکار کرے گی۔ لاکھوں میں ایک لڑکا ہے۔ ہاں' یہ ضد ہو کہ کروں گی تو امرت رائے سے کروں گی ورنہ بے بیاہی رہوں گی تو جنم بھر ان کے نام پر بیٹھی رہے! امرت رائے تو اب کسی بدھوا ہی سے بیاہ کرے گا۔ ممکن ہے بیاہ ہی نہ کرے۔ اس کا وید ہی دوسرا ہے۔ میری بات مانو' دانو کو خط لکھا دو۔ پریما سے پوچھنے جانچنے کا کام نہیں۔ دل ایسی چیز نہیں جو قابو میں نہ آ جائے میرا

دل تو اپنے پڑوس کے وکیل صاحب سے کرنے کا تھا۔ انہیں کوٹ پتلون پہنے بگھی پر کچہری جاتے دیکھ کر میں خوش ہو جاتی تھی مگر تمہارے نصیب جاگے' ماں باپ نے تمہارے پلے باندھ دیا تو میں نے کیا کیا' دو ایک دن تو ضرور رنج ہوا مگر پھر ان کی طرف خیال بھی نہ گیا۔ تم شکل وصورت' عقل وتمیز' دولت وثروت کسی بات میں ان کے برابری نہ کر سکتے تھے مگر قسم لو جو میں نے شادی کے بعد کبھی بھولے سے ان کی یاد کی ہو۔

بدری: اچھا جبھی تم بار بار مائکے جایا کرتی تھیں!

دیوکی: مجھے چھیڑو گے تو میں کچھ کہہ بیٹھوں گی۔

بدری: تم نے اپنی بات کہہ ڈالی تو میں بھی کہے دیتا ہوں۔ میری بھی ایک عیسائی لڑکی سے محبت ہوگئی تھی۔ میں عیسائی ہونے والا تھا۔ رنگ وروپ میں پری تھی۔ تم اس کے پیروں کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ مجھے اب تک ان کی یاد ستاتی ہے۔

دیوکی: جھوٹے کہیں کے! جب میں آئی تو مہینہ بھر تک تو تم مجھ سے بولتے شرماتے تھے۔ عیسائی عورت سے محبت کرتے تھے! وہ تو تمہیں بازار میں بیچ آتی! اور پھر تم لوگوں کی بات میں نہیں چلاتی' سچ بھی ہوسکتی ہے۔

بدری: ذرا پریما کو بلا' پوچھ لینا ہی اچھا ہے۔

دیوکی: (جھنجھلا کر) اس سے کیا پوچھو گے اور وہ کیا کہے گی؟ یہی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھ سے جب اس بارے میں باتیں ہوئی ہیں' وہ بھی کہتی رہی ہے کہ میں کنواری رہوں گی' وہی پھر کہے گی مگر اتنا میں جانتی ہوں کہ جس کے ساتھ تم بات چیت پکی کرو گے' اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اتنا وہ جانتی ہے کہ گرہست لڑکی کنواری نہیں رہ سکتی۔

بدری: رو رو کر جان تو نہ دے گی؟

دیوکی: نہیں میں ایسا نہیں سمجھتی۔ فرض کا اسے بڑا خیال رہتا ہے اور یوں تو پھر دکھ ہی ہے۔ جسے دل میں اپنا سوامی سمجھ چکی تھی' اسے دل سے نکال کر پھینک دینا کوئی سہل کام ہے؟ یہ زخم کہیں برسوں میں بھرے گا۔ اس سال تو بیاہ کرنے پر کبھی راضی نہ ہوگی۔

بدری: اچھا میں ابھی آیا۔ پورنا سے پوچھوں۔ ان پڑھی لکھی لڑکیوں کا مزاج کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔ اگر فرض و محبت میں مخالفت ہوگئی تو ان کی ساری زندگی ہی رنج میں گزرتی ہے۔ وہ محبت اور فرض پر ایثار کرنا نہیں جانتیں یا نہیں چاہتیں۔ ہاں محبت اور فرض میں میل ہو جائے تو ان کی زندگی اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی مزاج پریما کا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ میں دانو کو لکھے دیتا ہوں کہ مجھے کوئی عذر نہیں مگر پریما سے پوچھ کر ہی تصفیہ کر سکوں گا۔

دفعتاً کملا پرشاد آ کر بولے ''آپ نے کچھ سنا؟ بابو امرت رائے تو ایک بدھوا آشرم کھولنے جا رہے ہیں۔ کمانے کا نیا ڈھنگ نکالا ہے۔''

بدری پرشاد نے ذرا چین بجبیں ہو کر پوچھا۔ ''کمانے کا ڈھنگ کیسا؟ میں نہیں سمجھا۔''

کملا: وہی جو اور لیڈر کرتے ہیں۔ آشرم میں بیواؤں کی پرورش و پرداخت کی جائے گی۔ انہیں تعلیم بھی دی جائے گی۔ چندے کی رقمیں آئیں گی اور یار لوگ مزے کریں گے۔ کون جانتا ہے، کہاں سے کتنے روپے آئے۔ مہینے بھر میں ایک جھوٹا سچا حساب چھپوا دیا۔ سنا ہے کئی رؤسا نے بڑے بڑے چندے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ پانچ لاکھ کا تخمینہ ہے۔ اس میں کم از کم پچاس ہزار تو یاروں کے ہیں! وکالت میں اتنے تو روپے اتنی جلدی کہاں سے مل جاتے ہیں؟

بدری: پچاس ہزار بنائے تو کیا بنائے؛ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایک لاکھ سے کم پر ہاتھ نہ صاف کریں گے۔

کملا: ان لوگوں کو سوجھتی خوب ہے۔ ایسی باتیں ہم لوگوں کو نہیں سوجھتیں۔

بدری: جا کر کچھ دنوں ان کی شاگردی کرو۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔

کملا: تو کیا میں کچھ کہتا ہوں۔

بدری: ذرا بھی نہیں۔ تم کبھی جھوٹ بولے ہی نہیں، بھلا آج کیوں جھوٹ بولنے لگے۔ سچائی کے اوتار تمہی تو ہو!

دیوکی: سچ کہا ہے کہ ہوم کرتے ہاتھ جلتے ہیں۔ وہ بیچارہ تو پروپکار کے لیے اپنا سب

کچھ ہو کیے بیٹھا ہے اور تمہاری نگاہوں میں اس نے دنیا والوں کو ٹھگنے کے لیے ایک سو انگ رچایا ہے! آپ تو کچھ کر نہیں سکتے۔ دوسروں کے بھلے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے کو تیا! نہیں ایشور نے کیا نہیں دیا ہے جو یہ ڈھونگ رچائے؟

کملا: اچھا میں ہی جھوٹا سہی' اس میں جھگڑا کا ہے کا؟ تھوڑے دنوں میں آپ ہی قلعی کھل جائے گی۔ آپ جیسے سیدھے سادے لوگ دنیا میں نہ ہوتے تو ایسے مکاروں کی تھیلیاں کون بھرتا؟

دیو کی: بس چپ بھی رہو۔ ایسی باتیں منہ سے نکالتے تمہیں شرم نہیں آتی۔ کہیں پریما کے سامنے ایسی بے سر پیر کی باتیں نہ کرنے لگنا یاد ہے کہ تم نے ایک بار امرت رائے کو جھوٹا کہا تھا تو اس نے تین دن تک کھانا نہیں کھایا تھا۔

کملا: یہاں ان باتوں سے نہیں ڈرتے' خوشامد کی باتیں کرنا مجھے نہیں آتا۔ کہوں گا سچ ہی' چاہے کسی کو بھلا لگے یا برا۔ وہ ہماری توہین کرتے ہیں تو ہم ان کی پوجا نہ کریں گے آخر وہ ہمارے کون ہوتے ہیں جو ہم ان کے کرتوتوں پر پردہ ڈالیں۔ میں تو انہیں اتنا بدنام کروں گا کے سارے شہر میں کسی کو منہ نہ دکھا سکیں گے۔

یہ کہتا ہوا کملا چلا گیا۔ اسی وقت پریما نے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کی پلکیں نم تھیں۔ گویا ابھی روتی رہی ہو۔ اس کا نازک جسم ایسا لاغر ہو گیا تھا' گویا کسی نغمہ کی آوازِ بازگشت ہو! چہرہ کسی ہجراں نصیب کی یاد ماضی کی طرح نحیف اور اداس تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''دادا جی' آپ ذرا بابو دان ناتھ کو بلا کر سمجھا دیں کہ وہ کیوں جیجا جی پر جھوٹا الزام لگاتے پھرتے ہیں۔''

بدری پرشاد نے متحیر ہو کر کہا۔ ''دان ناتھ! وہ بھلا کیوں امرت رائے پر حملہ کرنے لگے۔ ان میں جیسی دوستی ہے' ویسی تو میں نے اور کہیں دیکھی ہی نہیں۔''

پریما: یقین تو مجھے بھی نہیں آتا مگر بھیا جی یہی کہہ رہے ہیں۔ بدھو آشرم کھلنے کا تو جیجا جی کا بہت دنوں سے ارادہ تھا۔ کئی بار مجھ سے اس کے متعلق گفتگو ہو چکی ہے لیکن بابو دان

ناتھ اب یہ کہتے پھرتے ہیں کہ وہ اس چندہ سے روپیہ جمع کر کے زمینداری خریدنا چاہتے ہیں۔

بدری: کملا کہتے تھے؟

پریما: ہاں بھیا جی کہتے تھے۔ دان ناتھ نے ان سے کہا ہو تو تعجب ہی کیا ہے۔

بدری: کملا جھوٹ بول رہا ہے۔ سراسر جھوٹ۔ دانو کو میں خوب جانتا ہوں۔ اس کا سا شریف آدمی میں نے بہت کم دیکھا ہے۔ مجھے تو یقین ہے کہ آج امرت رائے کے نفع کے لیے جان دینے کا موقع آ جائے تو دانو شوق سے اپنی قربانی کر دے گا۔ آدمی کیا ہیرا ہے۔ مجھ سے جب بھی ملتا ہے بڑی عاجزی سے پیر چھو لیتا ہے۔

دیوکی: کتنا ہنس مکھ ہے۔ میں نے تو اسے جب دیکھا ہنستے ہی دیکھا۔ بالکل بچوں کا سا مزاج ہے۔ اس کی ماں رویا کرتی ہے کہ میں مر جاؤں گی تو دانو کو کون کھلا پلا کر سلائے گا؟ دن بھر بھوکا بیٹھا رہے گا مگر کھانا نہ مانگے گا اور اگر کوئی بلا بلا کر کھلائے گا تو تمام دن کھاتا ہی رہے گا۔ بڑی سادی طبیعت کا ہے، غرور تو چھو بھی نہیں گیا۔

بدری: اب کے ڈاکٹر ہو جائے گا۔

لالہ بدری پرشاد ان آدمیوں میں تھے جو دبدھے میں نہیں رہنا چاہتے۔ کسی نہ کسی فیصلہ پر پہنچ جانا ان کے دلی اطمینان کے لیے ضروری تھا۔ دان ناتھ کے خط کا تذکرہ کرنے کا ایسا نادر موقع پا کر وہ ضبط نہ کر سکے۔ بولے "یہ دیکھو پریما دانو نے ابھی ابھی یہ خط بھیجا ہے۔ میں تم سے مشورہ کرنے جا ہی رہا تھا کہ تم خود ہی یہاں آ گئیں۔"

خط کا مطلب کیا ہے، پریما اسے فوراً تاڑ گئی۔ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خط لے لیا مگر یہ تحریر تو صاف امرت رائے کی ہے، اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔

یہ تحریر دیکھ کر ایک دن اس کا دل کتنا خوش ہو جاتا تھا۔ آج وہی تحریر اس کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھنے لگی۔ ایک ایک لفظ بچھوؤں کی طرح اس کے دل پر ڈنک مارنے لگا۔ اس

نے خط لے کر دیکھا، وہی تحریر تھی، وہ اس کی جانی بوجھی خوشنما صاف تحریر جو دلی اطمینان کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کا مطلب وہی تھا جو پریما نے سمجھا تھا۔ وہ اس کے لیے پہلے ہی سے تیار تھی۔ اسے یقین تھا کہ دان ناتھ اس موقع پر نہ چوکیں گے اس نے خط کا جواب پہلے ہی سوچ رکھا تھا۔ شکریہ کے ساتھ صاف انکار مگر یہ خط امرت رائے کے قلم سے نکلے گا، جس کا امکان ہی اس کے وہم و گمان سے باہر تھا۔ امرت رائے اتنے بے درد ہیں، اس کا اسے خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ وہی دل جو امرت رائے کے ساتھ مصیبت کے سخت ترین صدمے اور آفتوں کی ناقابل برداشت تکلیفیں سہنے کو تیار تھا، آج اس بے اعتنائی کی ٹھیس کو نہ سہہ سکا۔ وہ بے مثال محبت وہ، غیر محدود عقیدت جو پریما نے ان میں برسوں سے مرکوز کر رکھی تھی، ایک آہ سرد کے ساتھ جاتی رہی اسے معلوم ہوا گویا اس کے سارے اعضا ست پڑ گئے ہیں، گویا دل بھی ساکت ہو گیا ہے۔ گویا اس کو اپنی زبان پر بھی بالکل قابو نہیں ہے۔ اس کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکل پڑے۔ ''آپ کی جو مرضی ہو کیجئے۔ مجھے سب منظور ہے۔'' وہ کہنے جا رہی تھی، جب کنوئیں میں گرنا ہی ہے تو جیسے کچا ویسے پکا۔ اس میں کوئی فرق نہیں مگر جیسے کسی نے اس کو خبردار کر دیا، وہ فوراً خط کو ہیں پھینک کر اپنے کمرہ میں لوٹ آئی اور دریچہ کے سامنے کھڑی ہو کر زار و قطار رونے لگی۔

شام ہو گئی تھی، آسمان میں ایک ایک کر کے تارے نکلتے آتے تھے۔ پریما کے دل میں بھی اسی طرح ایک ایک کر کے یادداشتیں آنے لگیں دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسمان تاروں سے جگمگا اٹھا۔ پریما کا دل بھی یادداشتوں سے بندھ گیا مگر ان بے شمار تاروں سے آسمان کی تاریکی کیا اور بھی گہری نہیں ہو گئی تھی۔

## (8)

بیساکھ میں پریما کی شادی دان ناتھ کے ساتھ ہو گئی۔ بڑی دھوم دھام رہی۔ کل شہر کے روساء کو مدعو کیا گیا۔ لالہ بدری پرشاد نے دونوں ہاتھوں سے دولت لٹائی مگر دان ناتھ کی طرف سے کوئی تیار نہ تھی۔ امرت رائے چندہ کی فراہمی کے لیے بہار کی طرف چلے

گئے تھے اور تاکید کر گئے تھے' دھوم دھام مت کرنا۔ دان ناتھ ان کی مرضی کے خلاف کیسے چلتے۔

ادھر پورنا کے آنے سے سمترا کو گویا آنکھیں مل گئیں۔ اس کے ساتھ باتیں کرنے سے سمترا کو سیری ہی نہ ہوتی۔ آدھی آدھی رات تک اپنا دکھڑا سنایا کرتی۔ زندگی میں کوئی اس کا ساتھ نہ تھا۔ شوہر کے بورخی روز ہی اس کے دل میں چبھا کرتی تھی۔ اس بے رخی کا سبب کیا ہے' یہ مسئلہ اس سے حل نہ ہوتا تھا۔ وہ بہت خوبصورت نہ تھی' پھر بھی اسے کوئی بد سورت نہ کہہ سکتا تھا۔ بناؤ سنگھار کا تو اسے مرض سا ہو گیا تھا۔ شوہر کے دل لبھانے کے لیے وہ نت نیا سنگھار کرتی تھی اور مقصد براری نہ ہونے سے اس کے دل میں آگ سی جلتی تھی۔ گھی کے چھینٹوں سے بھڑکنا تو آگ کے لیے قدرتی تھا' وہ پانی کے چھینٹوں سے بھی بھڑکتی تھی! کملا پرشاد جب اس سے اپنی محبت جتاتے تو اس کے دل میں آتا کہ سینہ میں چھری مارلوں۔ زخموں میں یونہی کیا کم درد ہوتا ہے کہ کوئی اس پر نمک چھڑکے؟ آج سے تین برس پہلے سمترا نے کملا کو پاکر اپنے دھنیہ مانا تھا۔ دو تین مہینے اس کے سکھ سے کٹے مگر جوں جوں ہر دو طبائع کا تضاد آشکار ہونے لگا' دونوں ایک دوسرے سے کھنچنے لگے۔ سمترا فیاض تھی' کملا اعلیٰ درجہ کا ممسک! وہ پیسے کو ٹھیکری سمجھتی تھی' کملا کوڑیوں کو دانت سے پکڑتا تھا۔ اس کے مائکے سے ایک مرتبہ ایک براہمنی کوئی خوشخبری لے کر آئی تھی' اسے نئی ریشمی ساڑھی اٹھا کر دے دی۔ ادھر کملا کا یہ حال تھا کہ فقیر کی آواز سنتے ہی گرج اٹھتے تھے۔ رول اٹھا کر مارنے دوڑتے تھے۔ دو چار کو پیٹ بھی دیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ دروازہ پر جا کر کسی فقیر کی اگر کملا سے مڈبھیڑ ہو گئی تو اسے دوسری مرتبہ وہاں جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ سمترا میں انکسار اور رحم تھا۔ کملا میں گھمنڈ' چھچھورا پن اور خود غرضی۔ ایک آسمان پر کا چاند تھا اور دوسرا زمین پر رینگنے والا' ان میں میل کیسے ہو؟

پورنا کی آمد سے کملا اور سمترا ایک دوسرے سے اور بھی علیحدہ ہو گئے۔ سمترا کے دل کا بوجھ ہلکا سا ہو گیا۔ کہاں تو وہ دن کا دن بے پروائی سے پلنگ پر پڑے رہنے میں گزار

دیتی۔ کہاں اب وہ ہر وقت ہنستی بولتی رہتی۔ کملا نے اس کی پروا کرنا ہی چھوڑ دی۔ وہ کب گھر میں آتا ہے اور کب جاتا ہے' کب کھاتا ہے اور کب سوتا ہے' ان باتوں سے اسے ذرا بھی فکر نہ رہی۔ کملا پرشاد بد قماش نہ تھا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ اس میں اور خواہ کتنے ہی عیوب ہوں گے مگر عیاشی کا عیب نہ تھا۔ کسی عورت پر تانک جھانک کرتے اسے کسی نے نہ دیکھا تھا۔ پھر پورنا کے حسن نے اسے کس طرح گرویدہ کر لیا' یہ راز کون سمجھ سکتا تھا؟ شاید پورنا کی سادگی' عاجزی اور بے کسی نے کملا کی نفسیاتی خواہشوں کو متحرک کر دیا۔ اس کی کنجوسی اور بزدلی ہی اس کے اخلاق کی بنیاد تھی۔ عیاشی گراں چیز ہے۔ جیب کے روپے خرچ کر کے بھی کسی آفت میں مبتلا ہو جانے کا جہاں ہر لمحہ امکان ہو' ایسے کام میں کملا پرشاد جیسا ہوشیار آدمی نہ پڑ سکتا تھا۔ پورنا کے بارے میں اسے کوئی تردد نہ تھا۔ وہ اتنی سیدھی سادی تھی کہ اسے قابو میں لانے کے لیے کسی بڑی ریاضت کی ضرورت نہ تھی اور پھر یہاں نہ تو کسی کا خوف تھا' نہ پھنسنے کا اندیشہ اور نہ مار کھانے کا خیال۔ پورنا کی بے کسی نے ان تمام اندیشوں کو غیر مسلح بنا دیا تھا۔ اس نے سمجھا تھا کہ اب اس کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی صرف گھر والوں کی آنکھ بچا لینا کافی تھا اور یہ بات کچھ مشکل نہ تھی مگر یہاں بھی ایک رکاوٹ پیدا ہو گئی اور سمترا تھی! سمترا! پورنا کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چھوڑتی تھی۔ دونوں کھانا کھانے ساتھ ساتھ جائیں' چھت پر دیکھو تو ساتھ' کمرہ میں دیکھو تو ساتھ' رات کو ساتھ' دن کو ساتھ' کبھی دونوں ساتھ ہی سو جاتیں۔ کملا جب خوابگاہ میں جا کر سمترا کا انتظار کرتا کرتا سو جاتا تو نہ جانے کب وہ اس کے پاس آ جاتی۔ پورنا سے تنہائی میں کوئی بات کرنے کا اسے موقع نہ ملتا تھا۔ وہ دل میں سمترا پر جھنجھلا کر رہ جاتا۔ آخر ایک روز اس سے ضبط ہو سکا۔ رات کو جب سمترا آئی تو اس نے کہا۔

''تم رات دن پورنا کے پاس کیوں بیٹھی رہتی ہو؟ وہ اپنے دل میں سمجھتی ہو گی کہ یہ اچھی بلا گلے پڑی۔ ایسی تو کوئی بڑی سمجھدار بھی نہیں ہو کہ تمہاری باتوں میں اسے مزا آتا ہو' تمہاری بے وقوفی پر ہنستی ہو گی۔''

سمترنے کہا۔ ''اکیلی پڑی پڑی کیا کروں؟ پھر یہ بھی تو اچھا نہیں لگتا کہ میں آرام سے سوؤں اور وہ اکیلی رویا کرے۔ اٹھنا بھی چاہتی ہوں تو وہ لپٹ جاتی ہے' چھوڑتی ہی نہیں۔ دل میں میری بے وقوفی پر ہنستی ہے یا نہیں' یہ کون جانے؟ مگر میرا ساتھ اسے اچھا نہ لگتا ہو' یہ بات نہیں۔''

کملا: تمہیں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کی اور تمہاری کوئی برابری نہیں۔ وہ تمہاری سہیلی بننے کے قابل نہیں ہے۔

سمترا: میں ایسا نہیں سمجھتی۔

کملا: تمہیں اتنی سمجھ ہی نہیں' سمجھو ہی کیا؟

سمترا: ایسی سمجھ کا نہ ہونا ہی اچھا ہے۔

اس روز سے سمترا سایہ کی طرح پورنا کے ساتھ رہنے لگی۔

کملا پرشاد کے طریقوں میں اب ایک عجیب تبدیلی سی ہوتی جاتی تھی۔ سینما دیکھنے کا اب اسے شوق نہ تھا' نوکروں پر ڈانٹ پھٹکار بھی کم ہوگئی' کچھ فراخ دست بھی ہوگیا۔ ایک روز بازار سے بنگلہ مٹھائی لایا۔ سمترا کو دیتے ہوئے کہا۔ ''ذرا اپنی سکھی کو بھی چکھانا۔'' سمترا نے مٹھائی لے لی مگر پورنا سے اس کا ذکر بھی نہ کیا دوسرے روز کملا نے پوچھا۔ ''پورنا نے مٹھائی پسند کی ہوگی؟'' سمترا نے جواب دیا۔ ''بالکل نہیں' وہ تو کہتی تھیں کہ مجھے مٹھائی سے کبھی رغبت نہیں رہی!''

کئی روز کے بعد ایک روز کملا پرشاد دو ریشمی ساڑھیاں لائے اور بے دھڑک اپنے کمرے میں گھس گئے' دونوں سہیلیاں ایک ہی پلنگ پر لیٹی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پورنا مجھے معلوم نہ تھا۔ یہ دیکھو سمترا' دو ساڑھیاں لایا ہوں۔ سستے داموں میں مل گئیں۔ ایک تم لے لو اور ایک پورنا کو دے دو۔''

سمترا نے ساڑھیوں کے بے چھوئے ہی کہا۔ ''ان کی تو آج کوئی ضرورت نہ تھی۔ میرے پاس ساڑھیوں کی کمی نہیں ہے اور پورنا ریشمی ساڑھیاں پہننا چاہیں گی تو میں اپنی

نئی ساڑھیوں میں سے ایک دے دوں گی۔ کیوں بہن! ان میں سے لوگی کوئی ساڑھی؟"

پورنا نے سر ہلا کر کہا۔ "نہیں، میں ریشمی ساڑھی لے کر کیا کروں گی؟"

کملا: کیوں ریشمی ساڑھی تو کوئی چھوت کی چیز نہیں۔

سمترا: چھوت کی چیز نہیں مگر شوق کی چیز تو ہے۔ سب سے پہلے تو تمہاری والدہ ماجدہ ہی چھاتی پیٹنے لگیں گی۔

کملا: مگر اب تو میں لوٹا نے نہ جاؤں گا۔ بزاز سمجھے گا کہ دام سن کر ڈر گئے۔

سمترا: بہت اچھی ہوں تو پریما کے پاس بھیج دوں۔ تمہاری خرید ہوئی ساڑھی پا کر اپنا بھاگ سراہیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کہیں کوئی رقم مفت ہاتھ آ گئی ہے۔ سچ کہنا کسی کی گردن ریتی ہے؟ گانٹھ کے روپے خرچ کر کے تم ایسی بیکار چیزیں کبھی نہ لیتے ہو گے۔

کملا نے غضب آلود نگاہوں سے سمترا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تمہارے باپ کی تجوریز توڑی ہے اور بھلا کہاں ڈاکہ ڈالنے جاتا؟"

سمترا: مانگتے تو وہ یوں دے دیتے، تجوری توڑنے کی نوبت نہ آتی مگر عادت کو کیا کروں۔

کملا نے پورنا کی طرف منہ کر کے کہا۔ "سنتی ہو پورنا ان کی باتیں! شوہر سے باتیں کرنے کا یہی طریقہ ہے؟ تم بھی انہیں نہیں سمجھاتیں اور کچھ نہ سہی تو آدمی سیدھے منہ بات تو کرے۔ جب سے تم آئی ہو، ان کا دماغ اور بھی آسمان پر چڑھ گیا ہے۔"

پورنا کو سمترا کی سختی بری معلوم ہو رہی تھی۔ تنہائی میں کملا پرشاد سمترا کو جلاتے ہوں مگر اس وقت تو سمترا ہی انہیں جلا رہی تھی۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں کملا مجھ سے ناراض ہو گئے تو مجھے اس گھر سے نکلنا پڑے گا۔ کملا کو ناراض کر کے یہاں ایک دن بھی نباہ نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ جانتی تھی، اس لیے وہ سمترا کو سمجھاتی کرتی ہوں بابو جی! پوچھ لیجیے، جھوٹ کہتی ہوں۔"

سمترا نے تیز لہجہ میں کہا۔ "ان کے آنے سے میرا دماغ کیوں آسمان پر چڑھ گیا۔ ذرا یہ بھی بتا دو، مجھے انہوں نے راج گدی پر تو نہیں بٹھا دیا! ہاں تب اکیلی پڑی رہتی تھی۔

اب گھڑی دو گھڑی ان کے ساتھ بیٹھ لیتی ہوں۔ کیا تم سے اتنا بھی نہیں دیکھا جاتا؟''

کملا: تم فضول بات بڑھاتی ہو سمترا! میں یہ کب کہتا ہوں کہ تم ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دو، میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی۔

سمترا: اور کہنے کا مطلب ہی کیا ہے کہ جب سے یہ آئی ہیں' تمہارا دماغ آسمان پر چڑھ گیا ہے؟

کملا: کچھ جھوٹ کہہ رہا ہوں؟ پورنا خود دیکھ رہی ہیں' تمہیں ان کی نیک صحبت سے کچھ اچھی باتیں سیکھنی چاہیے تھیں۔ یہاں انہیں لا کر رکھنے میں میرا ایک مقصد یہ بھی تھا مگر تم پر ان کی صحبت کا الٹا ہی اثر ہوا۔ یہ بیچاری سمجھاتی ہوں گی مگر تم کیوں ماننے لگیں؟ جب تم مجھ ہی کو کچھ نہیں گنتیں تو یہ بیچاری کس گنتی میں ہیں؟ بھگوان سب کچھ دے مگر بے کا ساتھ نہ دے۔ تم ان میں سے ایک ساڑھی رکھ لو پورنا' دوسری میں پریما کے پاس بھیجے دیتا ہوں۔

سمترا نے دونوں ساڑھیوں کو اٹھا کر دروازہ کی طرف پھینک دیا۔ دونوں کاغذ میں تہہ کی ہوئی تھیں' صحن میں جا کر گریں۔ مہری اس وقت صحب دھو رہی تھی۔ جب تک وہ دوڑ کر ساڑھیاں اٹھائے' کاغذ بھیگ گیا اور ساڑھیوں میں داغ پڑ گئے۔ پورنا نے حقارت کے لہجہ میں کہا۔ ''بہن! دیکھو تو ساڑھیاں خراب ہو گئیں۔''

کملا: ان کی کرتوتیں دیکھتی جاؤ' اس پر میں ہی برا ہوں۔ مجھ ہی میں دنیا بھر کے عیب ہیں۔

سمترا: تو لے کیوں نہیں جاتے اپنی ساڑھیاں؟

کملا: میں تمہیں تو نہیں دیتا۔

سمترا: پورنا بھی نہ لیں گی۔

کملا: تم ان کی طرف سے بولنے والی کون ہوتی ہو؟ تم نے اپنا ٹھیکہ لیا ہے یا زمانے بھر کا؟ بولو پورنا' ایک رکھ دوں نا؟ یہ سمجھ لو کہ تم نے انکار کر دیا تو مجھے بڑا رنج ہوگا۔

پورنا بڑے شش و پنج میں پڑ گئی' اگر ساڑھی لیتی ہے تو سمترا کو برا لگتا ہے۔ اگر نہیں لیتی تو کملا برا مانتے ہیں۔ سمترا کیوں اتنی ہٹ کر رہی ہے' کیوں اتنا جامہ سے باہر ہو رہی ہے' یہ بھی اب اس سے پوشیدہ نہ رہا۔ دونوں پہلوؤں پر غور کر کے اب اس نے سمترا ہی کو خوش رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ کملا روٹھ کر اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اسے یہاں سے چلا جانا پڑے گا۔ سمترا ناراض ہو گئی تو نہ جانے کیا غضب ڈھائے' نہ جانے اس کے دل میں کیسے کیسے برے خیالات پیدا ہوں۔ بولی "بابو جی! ریشمی ساڑھیاں پہننے کی مجھے مناہی ہے تو لے کر کیا کروں گی؟ ایسا ہی ہے تو کوئی موٹی مہین دھوتی لا دیجیے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے کملا پرشاد کی طرف معذور نگاہوں سے دیکھا' ان میں کتنی عاجزی' کتنی معذوری بھری ہوئی تھی۔ گویا وہ کہہ رہے تھیں کہ لینا تو چاہتی ہو مگر لوں کیسے؟ انہیں آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ کیا گھر سے نکالنے کی خواہش ہے؟

کملا پرشاد نے کوئی جواب نہ دیا۔ ساڑھیاں چپکے سے اٹھالیں اور پیر پٹکتے ہوئے باہر چلے گئے۔

## (9)

ساڑھیاں لوٹا کر اور کملا پرشاد کو ناراض کر کے بھی پورنا کی مقصد بر آوری نہ ہو سکی۔ وہ اس شبہ کو ذرا بھی نہ دور کر سکی جو سمترا کے دل پر کسی خونخوار درندے کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ بیچاری دونوں طرف سے ماری گئی۔ کملا تو ناراض ہو ہی گیا تھا' سمترا نے بھی منہ پھلا لیا۔ پورنا نے کئی بار ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کی مگر جب سمترا کی تیوریاں بدل گئیں اور اس نے جھڑک کر کہہ دیا کہ "اس وقت مجھ سے کچھ نہ کہو پورنا۔ مجھے کوئی بات نہیں سہاتی۔ میں جنم ہی سے ابھاگنی ہوں ورنہ اس گھر میں آتی ہی کیوں؟ تم آئیں تو سمجھی تھی کہ اور کچھ نہ ہوگا تو دکھڑا سنا ہی دوں گی مگر بات کچھ اور ہی ہو گئی' تمہارا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب میرے نصیبوں کی بات ہے۔ اس وقت جاؤ' مجھے ذرا تنہائی میں رو لینے دو۔" تب پورنا کو وہاں سے اٹھ جانے کے سوا اور کچھ نہ سوجھ پڑا۔ وہ آہستہ سے اٹھ کر

دبے پاؤں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سمترا تنہائی میں روئی ہو یا نہ روئی ہو مگر پورنا اپنی بد نصیبی پر گھنٹوں روتی رہی۔ ابھی تک سمترا کو خوش کرنے کی کوشش میں وہ اپنی حالت پر غور نہ کر سکی تھی۔ اب آنکھوں سے آنسوؤں کی بڑی بڑی بوندیں گراتی ہوئی وہ ان ساری باتوں پر دل ہی دل میں غور کرنے لگی۔ کملا پرشاد کیا واقعی ایک ساڑھی اس کے لیے لائے تھے؟ کیوں لائے تھے؟ ایک روز کے علاوہ تو وہ پھر کبھی کملا پرشاد سے بولی تک نہ تھی' اس روز بھی وہ خود کچھ نہ بولی تھی بلکہ کملا پرشاد ہی کی باتیں سن رہی تھی۔ ہاں اگر اس سے غلطی ہوئی تو یہی کہ وہ یہاں آنے پر راضی ہو گئی لیکن کرتی کیا؟ اور سہارا ہی کیا تھا؟ کوئی آگے پیچھے نظر بھی تو نہ آتا تھا۔ آخر جب انہی لوگوں کا دیا کھاتی تھی تو یہاں آنے میں کیا حرج تھا۔ جب وہ یہاں آئی' اس نے کبھی کملا سے بات چیت نہ کی۔ پھر کملا نے اس کے لیے ریشمی ساڑھی کیوں لی؟ وہ تو ایک ہی کنجوس ہیں' یہ فیاضی ان میں کہاں سے آ گئی؟ سمترا نے بھی تو ساڑھیاں نہ مانگی تھیں۔ اگر اس کے لیے ساڑھی لانی تھی تو میرے لیے لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں اس کی نند نہیں' دیورانی نہیں' جٹھانی نہیں بلکہ صرف اس کا آسرا رکھنے والی ہوں۔

یہ سوچتے سوچتے دفعتاً پورنا کو ایک ایسی بات سوجھ گئی جس کے ممکن ہونے کا وہ کبھی خیال بھی نہ کر سکتی تھی۔ وہ ایسا کانپ اٹھی گویا کوئی خوفناک جانور سامنے آ گیا ہو۔ اس کا سارا دل' سارا احساس' سارا ضمیر گویا ایک تیرہ و تار خلاء میں منتقل ہو گیا۔ جیسے کوئی بڑا محل اس کے اوپر گر پڑا ہو۔ کملا پرشاد اسی کے لیے تو ساڑھی نہیں لائے تھے اور سمترا کو کسی طرح کا شک نہ ہو' اس لیے ویسی ہی ایک اور ساڑھی اس کے لیے بھی لیتے آئے ہوں؟ اگر یہ بات تھی تو بڑا غضب ہو گیا۔ ایسی حالت میں وہ کیا ایک لمحہ بھی اس مکان میں رہ سکتی تھی؟ وہ مزدوری کرے گی' آٹا پیسے گی' کپڑے سیئے گی' بھیک مانگے گی مگر یہاں نہ رہے گی! یہی شبہ اتنے دنوں تک سمترا کو اس کی سہیلی بنائے ہوئے تھا؟ اگر ایسا تھا تو سمترا نے اس سے صاف کیوں نہ کہہ دیا اور کیا پہلے ہی دن سے اس کو بلا کسی سبب ہی کہ یہ شبہ ہو گیا؟ کیا سمترا

نے میرے یہاں آنے کا مطلب ہی برا سمجھا؟ کیا اس کے خیال میں یہاں محبت کا کھیل ہی کھیلنے کے لیے آیہ اورلائی گئی؟ اس کے آگے پورنا اور کچھ نہ سوچ سکی۔ ایک لمبی ٹھنڈی اور گہری سانس کھینچ کر وہ فرش پر لیٹ گئی۔ گویا ملک الموت کو آنے کی دعوت دے رہی ہو۔ ہائے بھگوان! رانڈاپا کیا کلنک کا دوسرا نام ہے؟

مگر اس گھر کو چھوڑنے کا قصد کر کے بھی پورنا چھوڑ نہ سکی' کہاں جائے گی؟ جا ہی کہاں سکتی ہے؟ اتنا جلد چلا جانا کیا اس الزام کو اور بھی مضبوط نہ کر دے گا؟ بیوہ پر الزام لگا دینا کتنا آسان ہے۔ عوام کو اس کے بارے میں برے سے خیال کرتے دیر نہیں لگتی۔ گویا کجروی ہی بیوگی کی قدرتی معاش ہے۔ گویا بیوہ ہو جانا دل کی ساری خواہشات اور ساری کمزوریوں کا امنڈ پڑنا ہے۔ پورنا صرف کروٹ بدل کر رہ گئی۔

کھانے کے لیے جاتے وقت سمترا پورنا کو ساتھ لے لیا کرتی تھی' آج بھی اس نے آ کر کمرہ کے دروازے پر دستک دی۔ پورنا نے نہایت عاجزی سے کہا۔ ''بہن! آج تو مجھے بھوک نہیں ہے۔'' سمترا نے پھر اصرار نہیں کیا۔

بارہ بجے قبل تو کملا پرشاد کبھی اندر سونے نہ آتے مگر آج ایک بج گیا' دو بجے۔ پھر بھی ان کی آہٹ نہ ملی۔ یہاں تک کے تین بجنے کے بعد ان کے کانوں میں دروازہ بند کرنے کی آواز آئی۔ سمترا نے اندر سے کواڑ بند کر لیے تھے' شاید اب اسے بھی امید نہ رہی مگر پورنا ابھی تک ان کا انتظار کر رہی تھی حتیٰ کہ باقی رات بھی انتظار ہی میں گزر گئی۔۔ کملا پرشاد نہیں آئے۔

اب مسئلہ پیچیدہ ہو گیا۔ کل گھر میں اس کا چرچا ہوگا۔ جتنے منہ ہیں' اتنی ہی باتیں ہوگی اور ہر منہ سے اس کی شکل وصورت کچھ بڑی ہی ہو کر نکلے گی۔ ان بھید بھری کانام پھوسیوں اور اشاروں کا خیال کر کے تو اس کا دل گویا بیٹھ گیا۔ اس نے دل ہی دل میں ایشور سے پرارتھنا کی۔ بھگوان! تمہی اب میرا سہارا ہو۔ میری لاج اب تمہارے ہی ہاتھ ہے۔

پورنا تمام دن کملا سے دو چار باتیں کرنے کا موقع کھوجتی رہی مگر وہ مکان میں آئے

ہی نہیں اور مردانہ نشست گاہ میں وہ خود شرم سے نہ جا سکی۔ آج خواہش نہ ہوتے ہوئے بھی اسے کھانا پڑا۔ فاقہ کر کے لوگوں کو من مانی رائے زنی کرنے کا موقع وہ کیوں دیتی؟

اگر چہ سمترا نے ان دونوں سے اس طرف آنکھ اٹھا دیکھا بھی نہیں مگر آج شام کے وقت پورنا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ سمترا نے کہا۔ ''آؤ بہن! بیٹھو۔ میں نے تو آج اپنے دادا جی کو لکھ دیا ہے کہ آ کر مجھے لے جائیں۔ یہاں رہتے رہتے جی اوب گیا ہے۔''

پورنا نے مسکرا کر کہا۔ ''میں بھی چلوں گی۔ یہاں تنہا کیسے رہوں گی؟''

سمترا: نہیں' دل لگی نہیں کرتی بہن۔ یہاں آئے بہت دن ہو گئے' اب جی نہیں لگتا۔ کل حضرت رات بھر غایب رہے' شاید سمجھے ہوں گے کہ منانے آتی ہوگی۔ میری بلا جاتی' میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

پورنا نے بات بنائی۔ ''بیچارے آ کر لوٹ گئے ہوں گے۔''

سمترا: میں سو تھوڑا ہی گئی تھی۔ وہ ادھر آئے ہی نہیں' سمجھا ہوگا لونڈی منا کر لے جائے گی مگر یہاں کس کی اٹکی تھی؟

پورنا: منالانے میں کوئی بڑا نقصان تو نہ تھا۔

سمترا: کچھ نہیں' فائدہ ہی فائدہ تھا۔ ان کے آتے چاروں پدارتھ ہاتھ باندھے سامنے آ جاتے یہی نا؟

پورنا: تم تو ہنسی اڑاتی ہو' سوامی کسی کارن روٹھ جائے تو کیا اسے منانا استری کا دھرم نہیں ہے؟

سمترا: میں تو خود ہی کہتی ہوں بہن! عورت مرد کے پیروں کی جوتی کے سوا اور ہے ہی کیا؟ مرد چاہے جیسا ہو' چور ہو' ٹھگ ہو' بدکار ہو' شرابی ہو۔ عورت کا فرض ہے کہ اس کے پیروں کی دھول دھو دھو کر پیے۔ میں نے کونسا قصور کیا تھا جو انہیں منانے جاتی' وہ بھی تو سنوں؟

پورنا: تمہی اپنے دل میں سوچو؟

سمترا: خوب سوچ لیا ہے۔ آپ پیسے کی چیز تو کبھی بھول کر بھی نہ لائے۔ دس پانچ روپے تو کئی بار مانگنے پر ملتے ہیں۔ دو دو ریشمی ساڑھیاں لانے کی کیسے ہمت پڑ گئی؟ اس میں کیا بھید ہے؟ اتنا تو تم بھی سمجھ سکتی ہو۔ اب ٹھیک ہو جائیں گے۔ پوچھو۔ اگر ایسے ہی بڑے چھیلا ہو تو بازار میں کیوں نہیں منہ کالا کرتے یا گھر ہی میں کمپا لگانے کے شکاری ہو۔ مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا اور اب تو انہوں نے اپنے دل کی بات ظاہر کر دی۔

پورنا نے ذرا بھنویں چڑھا کر کہا۔ ''بہن! تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ ایک تو برہمنی' دوسرے بدھو! پھر رشتہ میں بہن! مجھے کیا بری نگاہوں سے دیکھیں گے' پھر ان کی ایسی عادت بھی نہیں رہی۔''

سمترا: پان بناتی ہوئی بولی۔ ''عادت کی نہ کہو پورنا! عادت کسی کے ماتھے پر نہیں لکھی ہوتی۔ نہیں تم بڑا نیک چلن سمجھتی ہو' وہ چھپے رستم ہوتے ہیں۔ ان کا تیر میدان میں نہیں گھر میں چلتا ہے مگر ہاں ان میں ایک بات اچھی ہے۔ اگر آج بیمار پڑ جاؤں تو سارا غصہ غائب ہو جائے۔ دوڑے چلے آئیں پھر دھتکاروں بھی تو نہ ہٹیں۔''

پورنا: تو آج کیوں نہیں بیمار پڑ جائیں؟

سمترا: ذرا دو چار دن جلا تو لوں اکیلے لالہ کو نیند نہیں آتی۔ کروٹیں بدل کر سویرا کرتے ہوں گے۔ اسی وجہ سے تو یہ مجھے جانے نہیں دیتے۔

پورنا: بڑی بے درد ہو بہن! آج چلی جانا' تمہیں میری قسم ہے۔

مگر سمترا اتنی آسانی سے ماننے والی نہ تھی۔ آج کی رات بھی یونہی گزر گئی۔ پورنا تمام رات آہٹ لیتی رہی۔ کملا پرشاد نہ آئے۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے۔ سمترا کا اب کملا پرشاد کا تذکرہ کرتے دن کٹتا تھا۔ ان کی ساری برائیاں اسے بھولتی جاتی تھیں۔ سارے گلے اور شکوے دماغ سے باہر ہوئے جاتے تھے۔ وہ ان کی محبت بھری باتیں یاد کر کے روتی تھی مگر ابھی تک بے جا خودداری کا خیال دور نہ ہوا تھا۔ بھوک سے بے قرار ہونے پر بھی کیا کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا سہل ہے؟ عورت کا دل اپنی ہار نہ مان سکتا تھا۔

دس بارہ دن گزر گئے تھے۔ ایک روز آدھی رات کے بعد پورنا کو سمترا کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ ملی۔ اس نے سمجھا کہ شاید کملا پرشاد آئے ہیں' اپنے دروازے پر کھڑی ہو کر جھانکنے لگی۔ سمترا اپنے کمرے سے دبے پاؤں نکل کر ادھر اُدھر متفکرانہ نگاہوں سے تاکتی مردانہ کمرے کی طرف چلی جا رہی تھی۔ پورنا سمجھ گئی کہ آج شوہر کو منا لانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلی۔ صحن کو بھی پار کیا۔ دالان سے بھی نکل گئی۔ شوہر کے کمرے کے دروازے پر بھی جا پہنچی۔ وہاں پر ایک لمحہ تک کھڑی سوچ رہی تھی کہ کیسے پکاروں۔ دفعتاً کملا پرشاد کے کھانسنے کی آواز سن کر وہ بھاگی' بے تحاشا بھاگی' اور اپنے کمرے میں آ کر رکی۔ اس کا عشق کے ہاتھوں ستایا ہوا دل غرور کا کھلونا بنا ہوا تھا۔ عورت کا غرور نا قابلِ فتح ہے۔ لافانی ہے۔ غیر محدود ہے۔

پورنا ابھی تک دروازے پر کھڑی تھی۔ اسے اس وقت اپنے سہاگ کے دنوں کا ایک واقعہ یاد آ رہا تھا۔ جب وہ کئی دنوں تک روٹھے رہنے کے بعد اپنے شوہر کو منانے گئی تھی اور دروازہ ہی پر سے لوٹ آئی تھی۔ کیا سمترا ابھی درووازہ ہی پر سے تو نہ لوٹ آئے گی؟ وہ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ سمترا اندر آتی ہوئی دکھائی دی۔ اسے جو خیال آیا تھا' وہی ہوا۔ پورنا کے جی میں آیا کہ جا کر سمترا سے پوچھے کیا ہوا؟ تم ان سے کچھ بولیں یا باہر ہی سے لوٹ آئیں؟ مگر ایسی حالت میں سمترا سے کچھ پوچھنا مناسب نہ معلوم ہوا۔ سمترا نے کمرے میں جاتے ہی چراغ بجھا دیا' کمرہ بند کر لیا اور سو رہی۔

مگر پورنا ابھی تک اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔

سمترا کے لیے جدائی کی تکلیف کتنی نا قابلِ برداشت ہو رہی ہے' یہ سوچ کر اس کا نازک دل مسوس اٹھا۔ کیا اس موقع پر اس کی کچھ بھی ذمہ داری نہ تھی؟ کیا اسی طرح الگ رہ کر تماشا دیکھنا ہی اس کا فرض تھا۔ اس سارے روٹھنے کا خاص سبب تو ہی تھی۔ تب وہ اطمینان سے ہر دو عشاق کو ہجر کی آگ میں جلتا دیکھ سکتی تھی؟ ہرگز نہیں اس کے پہلے بھی کئی بار اس کے جی میں آیا تھا کہ کملا پرشاد کو سمجھا بجھا کر راضی کرے لیکن کتنی ہی بدگمانیاں اس کا راستہ

روک کر کھڑی ہوگئی تھیں۔ آج اس نے ان بدگمانیوں کا قلع قمع کر دیا۔ وہ کملا پرشاد کو منانے چلی آئی۔ اس کے دل میں کسی طرح کا شک نہ تھا۔ کملا کو وہ شروع سے اپنا بڑا بھائی سمجھتی آ رہی تھی۔ انہیں بھیا کہہ کر پکارتی بھی تھی۔ پھر اسے ان کے کمرے میں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کمرے کے دروازے پر کھڑی ہو کر انہیں آہستہ سے پکارے گی اور کہے گی کہ ''بھابھی کو بخار ہو آیا ہے۔ پس آپ ذرا اندر جائیے۔'' پس یہ خبر پاتے ہی کملا اندر دوڑے ہوئے چلے جائیں گے۔ اس میں اسے ذرا بھی شبہ نہ تھا۔ تین سال کی متاہلانہ زندگی کا تجربہ ہونے پر بھی وہ مردوں کے رویہ سے ناواقف تھی۔ اپنے ماما کے چھوٹے سے گاؤں میں اس کا بچپن گزرا تھا۔ وہاں سارا گاؤں اسے بہن یا بیٹی کہتا تھا۔ اس بری خواہشوں سے مبرا دنیا میں وہ آزادی سے کھیتوں کھلیانوں میں گھوما کرتی تھی۔ شادی بھی ایسے شخص سے ہوئی جو جواب ہو کر بھی لڑکا تھا۔ جو اتنا حیادار تھا کہ اگر محلّہ کی کوئی عورت گھر میں آجاتی تو اندر قدم نہ رکھتا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکلی اور مردانہ کمرے کے دروازے پر جا کر اس نے آہستہ سے کواڑ پر تھپکی دی۔ اندیشہ تو اسے یہ تھا کہ کملا پرشاد کی نیند بمشکل ٹوٹے گی لیکن وہاں نیند کہاں؟ آہٹ پا کر کملا نے دروازہ کھول دیا اور پورنا کو دیکھ کر حیرت سے بولو۔ ''پورنا آؤ بیٹھو!''

پورنا نے سمترا کی علالت کی خبر نہ دی کیونکہ جھوٹ بولنے کی اس کو عادت نہ تھی۔ ایک لمحہ تک حیص بیص میں کھڑی رہی۔ اسے کوئی بات نہ سوجھی تھی۔ آخر بولی۔ ''کیا آپ سمترا سے روٹھے ہیں؟ وہ بیچاری منانے آئی تھیں' اس پر آپ نہ گئے۔'' کملا نے متعجب ہو کر کہا۔'' منانے آئی تھیں سمترا' جھوٹی بات۔ مجھے کوئی منانے نہیں آیا تھا۔ منانے ہی کیوں لگیں؟ جس سے محبت ہوتی ہے' اسے منایا جاتا ہے۔ میں تو مر بھی جاؤں تو کسی کو رنج نہ ہو۔ ہاں ماں باپ روئیں گے۔ سمترا مجھے کیوں منانے لگیں؟ کیا تم سے کہتی تھیں؟''

---

کملانے گویا یہ بات نہیں سنی۔قریب آ کر بولے۔۔''یہاں کب تک کھڑی رہو گی؟ اندر آؤ' تم سے کچھ کہنا ہے۔''یہ کہتے ہوئے اس نے پورنا کی کلائی پکڑ کر اندر کھینچ لیا اور دروازہ کی چٹخنی لگا دی۔ پورنا کا دل دھڑ کنے لگا۔اس جوش سے بھری ہوئے سخت اور ظالمانہ گرفت نے گویا اسے سانپ بن کر ڈس لیا سارے اعضاء ست پڑ گئے۔تھر تھر کانپتی ہوئی وہ دروازہ سے لپٹ کر کھڑی ہوگئی۔

کملا اس کی گھبراہٹ دیکھ کر پلنگ پر جا بیٹھا اور تسلی دیتے ہوئے بولا''ڈرومت پورنا' آرام سے بیٹھو۔ میں بھی آدمی ہوں۔کوئی کاٹنے والا جانور نہیں ہوں۔آؤ مجھ سے کیوں اتنی بھاگی بھاگی پھرتی ہو؟ مجھ سے دو باتیں کرنا بھی تمہیں نہیں گوارا ہوتا۔تم نے اس دن ساڑھی لوٹا دی' جانتی ہو کہ مجھے کتنا رنج ہوا؟''

''تو اور کیا کرتی؟ سمترا اپنے دل میں کیا سوچتی؟''

کملانے یہ بات نہ سنی۔اس کے بے چین نگاہ پورنا کے زرد چہرہ پر جمی ہوئی تھی۔اس کے دل میں نفس پرستی کی تیز آگ مشتعل ہوگئی۔اس کا سارا وجود اس کے سارے حواس' اس کی ساری رغبت' ایک عجیب مہلک جذبہ سے پیدا ہوگئی۔وہ پلنگ سے اٹھا اور دونوں ہاتھوں کو کھولے ہوئے پورنا کی طرف بڑھا۔اب تک پورنا خوف سے کانپ رہی تھی۔کملا کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے گردن اٹھا کر جلتی ہوئی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں خوفناک ہیبت اور خطرہ کی نمود تھی گویا وہ کہہ رہی تھی کہ خبردار اگر ایک جو بھر بھی اس طرف بڑھے تو ہم دونوں میں سے ایک کا خاتمہ ہو جاوے گا۔اس وقت پورنا کو اپنے دل میں ایک لامحدود طاقت کا احساس ہو رہا تھا۔ جو ساری دنیا کی فوجوں کو اپنے پیروں تلے کچل سکتی تھی! اس کی آنکھوں کی شعلہ باری' اس کی وہ بندھی ہوئی مٹھیاں اور تنی ہوئی گردن دیکھ کر کملا رک گیا۔اس کے ہوش ذرا ٹھکانے آ گئے اور اس کی ہمت ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی نہ پڑی' کھڑا کھڑا بولا۔''یہ صورت نہ اختیار کرو پورنا! میں جانتا ہوں کہ

محبت جیسی چیز جبر یا دغا سے نہیں مل سکتی‘ نہ میں اس ارادے سے تمہارے پاس آرہا تھا۔ میں تو صرف تمہاری نگاہ کرم کا امیدوار ہوں۔ جس دن سے تمہاری یہ موہنی مورت دیکھی ہے‘ اسی دن سے تمہاری پوجا کر رہا ہوں۔ پتھر کی مورتوں کی پوجا پھول پتی سے ہوتی ہے مگر تمہاری پوجا میں آنسوؤں سے کرتا ہوں۔ میں جھوٹ نہیں کہتا پورنا۔ اگر تمہارا اشارہ پا جاؤں تو اپنی جان کو بھی تمہارے قدموں پر نچھاور کردوں یہی میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ تمہیں بھول جاؤں مگر دل کسی طرح نہیں مانتا۔ یقیناً اگلے جنم میں میرا تم سے کوئی زبردست تعلق رہا ہوگا‘ شاید اس جنم میں بھی میری یہی خواہش بنا پوری ہوئے باقی رہی ہوگی! تمہارے قدموں پر گر کر ایک بار رو لینے کی خواہش ہی کے سبب میں تم کو یہاں لایا ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ میری زندگی کا تمہارے ہی رحم پر دارومدار ہے! اگر تمہاری آنکھیں میری جانب سے یونہی برگشتہ رہیں تو دیکھ لینا کہ یا تو ایک روز کملا پرشاد کی نعش اسی کمرے میں تڑپتی ہوئی پاؤ گی یا گنگا کے کنارے پر۔ میرا یہی مقصد ہے۔‘‘

پورنا کا غصہ کم ہوا‘ کانپتے ہوئے بولی۔ ’’بابو جی! آپ مجھ سے کیسی باتیں کر رہے ہیں‘ آپ کو شرم نہیں آتی؟‘‘

کملا پلنگ بیٹھتا ہوا بولا۔ ’’نہیں پورنا! مجھے تو اس میں کوئی شرم کی بات نہیں دکھادیتی۔ اپنی من چاہی دیوی کو پوجنے میں شرم کی بات ہے؟ محبت ایشور کی پیدا کی ہوئی رغبت‘ ایشور کا پیغام ہے۔ محبت کی دنیا میں انسانوں کے بنائے ہوئے معاشرتی قاعدوں کی کوئی وقعت نہیں۔ بیاہ سماج کے مضبوط رکھنے کی آرف ایک تدبیر ہے۔ ذات پات صرف جدا گانہ کام کرنے والے لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ زمانہ کی گردش نے تمہیں ایک ایسی حالت میں مبتلا کر دیا ہے جس میں محبت کے سکھوں کا خیال کرنا ہی گناہ سمجھا جاتا ہے مگر سوچو تو کہ سماج یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے۔ کیا ایشور نے تمہیں اس لیے بنایا ہے کہ دو تین برس محبت کا سکھ اٹھانے کے بعد زندگی بھر بیوگی کی سخت تکلیف برداشت کرتی رہو؟ کبھی نہیں! ایشور اتنا بے انصاف‘ اتنا بدطینت نہیں ہو سکتا۔ سنت کمار جی میرے بڑے دوست تھے۔ آج بھی

ان کی یاد آتی ہے تو آنکھوں میں آنسو بھر جاتے ہیں۔ اس وقت بھی ان کو اپنے سامنے کھڑا دیکھتا ہوں تم سے ان کو بڑی محبت تھی۔ تمہارے سر میں ذرا بھی درد ہوتا تو بیچارے بے قرار ہو جاتے تھے۔ وہ تمہیں سکھ سے منڈھ دینا چاہتے تھے کہ تمہیں تیز ہوا کا جھونکا بھی نہ لگے۔ انہوں نے اپنی زندگی ہی تمہارے لیے وقف کر رکھی تھی۔ روؤ مت پورنا! تمہیں ذرا بھی اداس دیکھ کر ان کا دل پاش پاش ہو جاتا تھا۔ تمہیں روتا دیکھ کر ان کی روح کو کتنی تکلیف ہوگی۔ پھر یہ آج کوئی نئی بات نہیں۔ ادھر مہینوں سے تمہیں رونے کے سوا کوئی کام ہی نہیں اس روح کو تمہاری یہ فضول تپسیا دیکھ کتنا رنج ہوگا۔ اس کا اندازہ تم کر سکتی ہو؟ ایشور تمہیں دکھ کے اس اتھاہ ساگر میں ڈوبنے دینا نہیں چاہتے' وہ تمہیں بچانا چاہتے ہیں۔ تمہیں زندگی کے سکھ میں محو کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر ان کی تحریک نہ ہوتی تو مجھ جیسے کمزور آدمی کے دل میں محبت کیونکر پیدا ہوتی۔ جس نے کسی عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا' وہ آج تم سے محبت کی بھیک کیوں مانگتا ہوتا؟ مجھے تو اس میں ایشور کا ہاتھ صاف نظر آ رہا ہے۔''

پورنا اب تک دروازے سے چپٹی کھڑی تھی۔ اب دروازے سے ہٹ کر وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ کملا پرشاد پر اس سے پہلے جو شبہ ہوا تھا۔ وہ اب مٹتا جاتا تھا۔ وہ محو ہو کر ان کی باتیں سن رہی تھی۔ کملا پرشاد اسے فرش پر بیٹھتا ہوا دیکھ کر اٹھا اور ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''نہیں نہیں پورنا! یہ نہیں ہو سکتا۔ پھر میں بھی زمین پر ہی بیٹھوں گا۔ آخر اس کرسی پر بیٹھنے میں تمہیں کیا عذر ہے؟''

پورنا اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا۔ کملا سے اس کو جھجک بھی نہیں ہوئی۔ یہ کہتی ہوئی کہ ''بابو آپ بڑی ضد کرتے ہیں۔ کوئی مجھے یہاں اس طرح بیٹھا دیکھ لے تو کیا ہو؟'' وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

کملا کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ بولا ''اگر کوئی کچھ کہے تو اس کی بے وقوفی ہے۔ سمترا کو یہاں بیٹھا دیکھ کر کوئی کچھ نہ کہے گا۔ تمہیں بیٹھا دیکھ کر اس کے ہاتھ خود بخود سینہ پر پہنچ جاویں گے! یہ انسانوں کے رچے ہوئے سوانگ ہیں اور میں انہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ جہاں دیکھو

ڈھکوسلا' جہاں دیکھو خرافات۔ ہماری ساری زندگی مکروفریب کی زندگی ہوگئی ہے۔ میں اس مکروفریب کا خاتمہ کر دوں گا۔ پورنا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے آج تک کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کرنہیں دیکھا۔ میری نظر میں کوئی جچتی ہی نہ تھی مگر تمہیں دیکھتے ہی میرے دل میں ایک عجیب قسم کی ہلچل ہونے لگی۔ میں اسی وقت سمجھ گیا کہ یہ ایشور کی تحریک ہے۔ اس کی مرضی نہ ہوتی تو تم اس گھر میں آتی ہی کیوں؟ یہاں آنے میں بھی ایشور کی تحریک ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہ کرنا۔ ایک سے ایک خوبصورت عورتیں میں نے دیکھیں مگر اس چاند میں دل کو کھینچ لینے والی جو طاقت ہے۔ وہ کسی میں نہ ملی۔''

یہ کہہ کر کملا پرشاد نے پورنا کے رخسار کو انگلی' سے مس کیا۔ پورنا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے جھجک کر منہ ہٹا لیا مگر کرسی سے اٹھی نہیں۔ یہاں سے اب بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔ ان باتوں کو سن کر اس کے دل میں ایسی خوشگوار جھبش پیدا ہو رہی تھی جیسے مانڈو کے نیچے جاتے وقت کسی نوجوان کے دل میں ہوتی ہے۔

کملا کو دفعتاً ساڑھیوں کی یاد آ گئی۔ دونوں ابھی تک اس نے صندوق میں رکھ چھوڑی تھیں۔ اس نے ایک ساڑھی نکال کر پورنا کے آگے رکھ دی اور کہا ''دیکھو۔ یہی وہی ساڑھی ہے پورنا۔ اس روز تم نے اس کو لینا نامنظور کر دیا تھا' آج میری خاطر سے لے لو۔ ایک لمحہ کے لیے اسے پہن لو' تمہاری یہ سفید ساڑھی دیکھ کر میرے دل میں چوٹ سی لگتی ہے۔ میں ایمانا کہتا ہوں کہ یہ میں تمہارے ہی واسطے لایا تھا۔ سمترا کے دل میں کوئی شبہ نہ ہو' اس لیے ایک اور لانی پڑی۔ نہیں اٹھا کر رکھو مت' صرف ایک ہی لمحہ کے لیے پہن لو۔ ذرا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس رنگ کی ساڑھی تمہارے بدن پر کتنی کھلتی ہے۔ نہ مانو گی تو میں جبراً پہنا دوں گا۔'' پورنا نے ساڑھی لے کر اس کی طرف تاتکے ہوئے کہا۔ ''کبھی پہن لوں گی' اتنی جلدی کیا ہے؟ پھر یہاں میں کیسے پہنوں گی؟''

کملا: میں ہٹا جاتا ہوں۔

کمرے کے ایک جانب ایک چھوٹی کوٹھری تھی' اسی میں کملا پرشاد کبھی کبھی بیٹھ کر پڑھتا

تھا۔ اس کے دروازے پر چھینٹ کا ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ کملا پرشاد پردہ اٹھا اس کوٹھڑی میں چلا گیا مگر تنہا رہ جانے پر پورنا ساڑھی نہ پہن سکی۔ جی پہننے کو ضرور چاہتا تھا مگر لحاظ اس بات کا تھا کملا پرشاد اپنے دل میں اس کا نہ جانے کیا مطلب سمجھ بیٹھے۔

کملا پرشاد نے پردے کی آڑ سے کہا۔ ''پہن چکیں' اب باہر نکلوں؟''

پورنا نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں پہن چکی' نکلو!''

کملا نے پردہ اٹھا کر جھانکا۔ پورنا ہنس پڑی۔ کملا نے پھر پردہ بند کر دیا اور اس کی آڑ سے بولا۔ ''اب کے اگر تم نے نہ پہنا پورنا تو میں آ کر جبراً پہناؤں گا۔

پورنا نے ساڑھی پہنی تو نہیں' ہاں اس نے آنچل کھول کر سر پر رکھ لیا۔ سامنے ہی آئینہ تھا۔ اس نے اس پر نگاہ ڈالی اپنے حسن پر وہ آپ ہی فریفتہ ہو گئی۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں پشیمانی کا خیال آ گیا۔ اس کے اندر ہی کہیں سے آواز آئی۔ ''پورنا ہوش میں آ۔ کدھر جا رہی ہے؟ وہ راستہ تیرے لیے بند ہے تو اس پر قدم نہیں رکھ سکتی؟'' وہ ساڑھی کو الگ کر دینا چاہتی تھی کہ دفعتاً کملا پردے سے نکل آیا اور بولا۔ ''آخر تم نے نہ پہنی۔ میری اتنی ذرا سی بات بھی تم نے نہ مانی؟''

پورنا: پہنے تو ہوں اب کیسے پہنو؟ کون سی بھلی معلوم ہوتی ہے؟ میرے بدن پر پڑ کر ساڑھی کی مٹی پلید ہو گی۔

کملا نے فریفتہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ ''ذرا آئینہ میں تو دیکھ لو۔''

پورنا نے دبی ہوئی نگاہ آئینہ پر ڈال کر کہا۔ ''دیکھ لیا' ذرا بھی بھلی نہیں لگتی۔''

کملا: چراغ کی لو مات ہو گئی۔ واہ رے بھگوان! تم ایسی چمکتی ہوئی صورت بنا سکتے ہو' تمھیں دھنیہ (آفریں) ہے۔

پورنا: میں اتار کر پھینک دوں گی۔

کملا: بھگوان' اب میرا بیڑا کیسے پار لگے گا؟

پورنا: مجھے ڈبو کر! یہ کہتے کہتے پورنا کا چہرہ ماند پڑ گیا۔

پورنا نے ساڑھی اتار کر الگنی پر رکھ دی۔

کملا نے پوچھا ''یہاں کیوں رکھتی ہو؟''

پورنا بولی ''اور کہاں لے جاؤں؟ آپ اتنی خاطرداری کر دی۔ ایشور نہ جانے اس کی کیا سزا دیں گے؟''

کملا: ایشور سزا نہیں دیں گے پورنا! یہ انہی کا حکم ہے۔ تم اس کی چنتا نہ کرو۔ کھڑی کیوں ہو؟ ابھی تو بہت رات ہے' کیا ابھی سے بھاگ جانے کا ارادہ ہے؟

پورنا نے دروازے کے قریب جا کر کہا۔ ''اب جانے دو بابو جی۔ کیوں میری زندگی بھرشٹ (ناپاک) بنانا چاہتے ہو؟ تم مرد ہو' تمہارے لیے سب کچھ معاف ہے۔ میں عورت ہوں' میں کہاں جاؤں گی؟ دور تک سوچو' اگر گھر میں ذرا بھی خبر ہوئی تو جانتے ہو میری کیا درگت ہوگی؟ ڈوب مرنے کے سوا میرے لیے کوئی اور چارہ رہ جائے گا؟ اس کو سوچیے۔ آپ میرے لیے جلاوطن ہونا پسند کریں گے؟ اور پھر بدنام ورسوا ہو کر جیے تو کیا جیے' نہیں بابو جی! مجھ پر رحم کیجیے' میں تو آج مر جاؤں گی تو کسی کا کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ زمین کا بوجھ ہی کچھ ہلکا ہو جاوے گا لیکن آپ کی زندگی بیش قیمت ہے' اسے آپ میرے لیے کیوں مصیبت میں ڈالیے گا۔ جونہی کوئی موقع آئے گا' آپ تو جھاڑ کر الگ ہو جاویں گے' میری کیا گت ہوگی' اس کی آپ کو اس وقت ذرا بھی فکر نہ ہوگی۔''

کملا نے زور دے کر کہا۔ ''یہ کبھی نہیں ہو سکتا پورنا! ضرورت پڑے تو تمہارے لیے جان تک دے دوں۔ جب چاہے امتحان کر کے دیکھ لو۔''

پورنا: یہ سب خالی باتیں ہی باتیں ہیں۔ ابھی محلّہ میں دو ایک ایسے ہی قصے دیکھ چکی ہوں۔ آپ کو نہ جانے کیوں میری اس صورت پر موہ ہو گیا ہے۔ اسے اپنی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہوں؟ جب تک آپ کی مرضی ہوگی' اپنا دل بہلایئے گا' پھر بات بھی نہ پوچھیے گا۔ میں کیا سمجھ رہی ہوں۔ ایشور کسی کو برے راستہ کی طرف نہیں لے جاتے۔ اسے چاہے انس کہیے چاہے ترک مگر ہے برا ہی راستہ! میں اس دھوکے میں نہیں آنے کی! آج جو کچھ

ہو گیا‘ سو ہو گیا۔ اب بھول کر بھی میری طرف آنکھ نہ اٹھائیے گا ورنہ میں یہاں نہ رہوں گی۔ اگر کچھ نہ ہو سکے گا تو ڈوب مروں گی۔ ایندھن نہ پا کر آگ خود ہی بجھ جاتی ہے۔ اس میں ایندھن نہ ڈالیے۔

کملا نے آزردہ ہو کر کہا۔ ”پورنا! میں تو مر جاؤں گا‘ سچ کہتا ہوں۔ میں زہر کھا کر سو رہوں گا اور یہ ہتیا کا پاپ تمہارے سر ہو گا۔“

یہ آخری فقرہ پورنا نے سنا تھا یا نہیں کہہ سکتے۔ اس نے دروازہ کھولا اور صحن کی طرف چلی۔ کملا دروازے پر کھڑا تاکتا رہا۔ پورنا کو روکنے کی جرأت اسے نہ ہوئی۔ چڑیا ایک بار دانے پر آ کر پھر نہ جانے کیا آہٹ پا کر اڑ گئی تھی۔ اتنی ہی دیر میں پورنا کے دلی جذبات میں کتنا تغیر ہوا۔ وہ کھڑا ہوا یہی سوچتا رہا۔ وہ تفتہ‘ پھر وہ خوشی اور رغبت اور آخر میں یہ ترک وفا کا راز اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔

کیا وہ چڑیا پھر دانے پر گرے گی؟ یہی سوال کملا کے دماغ میں بار بار اٹھنے لگا۔

## (10)

ایک معیار پرست ہندو لڑکی کی طرح پریما شوہر کے گھر آ کر شوہر ہی کی ہو گئی تھی۔ اب امرت رائے اس کے لیے صرف ایک خواب کی طرح تھے جو اس نے کبھی دیکھا تھا۔ وہ گھر کے کاموں میں بڑی ہوشیار تھی۔ سارا دن گھر کا کوئی نہ کوئی کام کرتی رہتی۔ دان ناتھ کو آرائش کا سامان خریدنے کا شوق تھا۔ وہ اپنے گھر کو صاف ستھرا‘ سجا ہوا دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس کے لیے جس باقاعدگی اور محنت کی ضرورت ہے‘ وہ ان میں نہ تھی۔ کوئی چیز قرینے سے رکھنا نہیں آتا ہی نہ تھا۔ عینک غسل خانے کے طاق پر رکھ دی تو اس کی یاد اس وقت آئی جب کالج میں اس کی ضرورت پڑتی۔ کھانے پینے‘ سونے جاگنے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ کبھی کوئی عمدہ کتاب مل گئی تو تمام رات جاگتے رہے۔ کبھی سر شام سے سو رہے۔ تو کھانے پینے کا ہوش بھی نہ رہا۔ آمدنی خرش کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ جب تک ہاتھ میں روپے رہتے‘ بے دریغ خرچ کیے جاتے‘ بے ضرورت چیزیں آیا کرتیں‘ روپے خرچ ہو

جانے پر لکڑی اور تیل میں کفایت کرنی پڑتی تھی۔تب وہ اپنی ضعیفہ ماں پر جھنجھلاتے مگر ماں کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ان کا بس چلتا تو اب تک دان ناتھ چار پیسے کے آدمی ہو گئے ہوتے۔وہ پیسے کا کام دھیلے میں ٹالنا چاہتی تھیں۔کوئی کہار، کوئی خادم ان کے یہاں ٹکنے نہ پاتے تھے۔انہیں اپنے ہاتھوں کام کرنے میں شاید لطف آتا تھا۔وہ غریب ماں باپ کی بیٹی تھیں۔دان ناتھ کے والد بھی معمولی آدمی تھے اور پھر وہ زندہ بھی رہے بہت کم۔ماں نے اگر اتنی کفایت سے کام نہ لیا ہوتا تو دان ناتھ کسی دفتر کے چپڑاسی ہوتے۔ایسی عورتیں عورتوں کے لیے بخل قدرتی تھا۔وہ دان ناتھ کو ابھی وہی بچہ سمجھتی تھیں جو کبھی ان کی گودی میں کھیلا کرتا تھا۔ان کی زندگی کا وہ سب سے مسرت بخش وقت ہوتا تھا۔جب دان ناتھ کے سامنے تھال رکھ کر وہ کھلانے بیٹھتی تھیں۔کسی مہراج، رسوئی، کہاریاں مہری کو وہ اس مسرت میں خلل انداز نہ ہونے دیتی تھین۔پھر وہ جئیں گی کیسے؟ جب تک دان ناتھ کو اپنے سامنے بٹھا کر کھلا نہ لیں، انہیں اطمینان نہ ہوتا تھا۔دان ناتھ بھی ماں پر جان دیتے تھے۔وہ چاہتے تھے کہ یہ عمدہ سے عمدہ کھائیں، پہنیں اور آرام سے رہیں مگر ان کے پاس بیٹھ کر بچوں کی توتلی زبان میں باتیں کرنے کی انہیں فرصت نہ تھی اور نہ خواہش۔دوستوں کے ساتھ غپ کرنے میں انہیں زیادہ لطف آتا تھا۔ضعیفہ نے کبھی دل کی بات کہی نہیں مگر اس کی دلی خواہش تھی کہ دان ناتھ اپنی پوری تنخواہ لاکر اس کے ہاتھ میں رکھ دیتے۔پھر وہ اپنے طرز پر اسے خرچ کرتی۔تین سو روپے کم نہیں ہوتے، اتنے روپیوں کی گڈی کو ہاتھوں سے چھونے کا لطف اسے کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔دان ناتھ میں یا تو اتنی سمجھ نہ تھی یا وہ لاپرواہ تھے۔پریمانے دو ہی چار مہینے میں گھر کو بہت باقاعدہ طور پر مکمل کر دیا تھا۔اب ہر ایک کام کا وقت اور قاعدہ تھا۔ہر ایک چیز کا خاص مقام تھا۔آمدنی اور خرچ کا حساب تھا۔دان ناتھ کو اب دس بجے سونا اور پانچ بجے اٹھنا پڑتا تھا۔نوکر چاکر خوش تھے اور سب سے زیادہ خوش تھی پریما کی ساس۔دان ناتھ کو جیب خرچ کے لیے 25 روپے دے کر پریما باقی روپے ساس کے ہاتھ میں رکھ دیتی تھی اور جس چیز کی ضرورت ہوتی، انہی سے کہتی۔

اس طرح ضعیفہ خود کو گھر کی مالکہ خیال کرتی تھی۔ اگرچہ شروع ماہ سے وہ کہنے لگتی تھی کہ اب روپے نہیں رہے، خرچ ہو گئے۔ کیا میں روپیہ ہو جاؤں؟ مگر پریما کے پاس تو پائی پائی کا حساب رہتا تھا۔ وہ منت سماجت کر کے اپنا کام نکال لیا کرتی تھی۔

یہ سب کچھ تھا مگر دان ناتھ کے دل میں اب بھی یہی اندیشہ موجود تھا کہ پریما کو امرت رائے سے محبت ہے۔ پریما خواہ دان ناتھ کے لیے جان تک نکال کر رکھ دے مگر اس اندیشہ کو ان کے دل سے نکال سکتی تھی۔ اگر پریما کی محبت کا حال انہیں پیشتر سے معلوم نہ ہوتا تو شاید وہ خود کو دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب خیال کرتے۔ اس سے وہ کیا چاہتے تھے، اس میں نہیں کونسی کمی نظر آتی تھی، یہ وہ خود نہ جانتے تھے مگر ایک موہوم سا خیال موجود رہتا تھا کہ تب کچھ اور ہی بات ہوتی۔ وہ ہر روز اسی ادھیڑ بن میں پڑے رہتے تھے کہ امرت رائے کی طرف سے اس کا خیال پھیر دوں۔ تنخواہوں کے علاوہ اخباروں میں مضامین لکھ کر، امتحانوں کے پرچے دیکھ کر ایک خاصی رقم ان کے ہاتھ لگ جاتی تھی۔ انہی سے وہ پریما کے لیے طرح طرح کے تحفے لایا کرتے تھے۔ اگر ان کے بس کی بات ہوتی تو وہ آسمان کے تارے توڑ لاتے اور انہیں اس کے گلے کے ہار بناتے! اپنے رفیق پروفیسروں سے اس کی تعریف کرتے ہوئے ان کی زبان نہ تھکتی تھی۔ انہوں نے پہلے کبھی شاعری نہیں کی تھی، شاعروں کو تک بند کہا کرتے تھے مگر اب ان کی نثر بھی شاعرانہ ہوتی تھی۔ پریما شاعرانہ ہوتی تھی۔ پریما شاعری کی زندہ مورت تھی۔ اس کے ایک ایک طرز، ایک ایک انداز کو دیکھ کر قوت متخلیہ خود بخود متحرک ہو جاتی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھ کر انہیں دنیا و مافیہا فراموش ہو جاتے تھے۔ ساری فضا بہشت کا نمونہ بن جاتی تھی۔ ایسی نزاکت، ایسی جلاء، ایسی حلاوت کیا مادی ہو سکتی تھی؟ جب وہ لمبی لمبی پلکوں سے ڈھکی ہوئی شرمیلی رسیلی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتی تو دان ناتھ کا دل امنگ سے بھر جاتا تھا۔ سچی محبت وصل میں بھی ہجر کی خوشگوار تکلیف کو محسوس کرتی تھی۔ دان ناتھ کو پریما اپنے سے دور معلوم ہوتی تھی۔

اس پر بھی دان ناتھ کے دل میں وہ اندیشہ برابر موجود تھا۔ وہ ایک بار اس کے دل میں داخل ہو کر دیکھ بھال کرنی چاہتے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کی جانچ ہو رہی ہے۔ کہیں اس نے بھانپ لیا تو غضب ہو جائے گا' اس کا نازک دل اس جانچ کا بوجھ برداشت بھی کر سکے گا یا نہیں۔

نہ جانے کیوں اب دان ناتھ کو امرت رائے سے نفرت ہو گئی تھی۔ شاید یہ سمجھتے تھے کہ ان کے دل خوش کن نغمے میں یہی ایک کرخت راگ ہے۔ یہ نہ ہوتا تو ان کی زندگی پر ملائکہ کو بھی رشک ہوتا۔ وہ اب بھی امرت رائے کے مکان پر جاتے تھے۔ وہاں گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے مگر دوستوں میں اب یکسانیت نہ تھی' اب وہ ایک جان دو قالب کے مصداق نہ تھے۔ امرت رائے بھی یہ بات سمجھتے تھے۔ انہیں یہ جاننے کی بڑی خواہش ہوتی تھی کہ پریما خوش ہے یا نہیں۔ وہ ایک مرتبہ اس سے مل کر اس کا دل اپنی طرف سے صاف کر دینا چاہتے تھے مگر موقع ایسا نازک تھا کہ اس مسئلہ پر زبان کھولتے ہوئے انہیں تامل ہی نہیں بلکہ خوف ہوتا تھا۔ دان ناتھ اتنے چھوٹے دل کا آدمی ہے' یہ انہوں نے نہ سمجھا تھا۔

آخر انہوں نے ایک روز کہہ ہی ڈالا۔ ''آج کل آئینہ میں اپنی صورت دیکھتے ہو؟''

دان ناتھ نے سوال کا مطلب نہ سمجھ کر کہا۔ ''ہاں' دیکھتا کیوں نہیں! کم از کم چار مرتبہ تو حسب معمول دیکھتا ہوں۔''

امرت رائے: کوئی فرق ہے؟

دان ناتھ: دبلا ہوتا جاتا ہوں۔

امرت رائے: جھوٹ نہ بولو یار۔ مجھے تو یاد نہیں آتا کہ تم اتنے موٹے کبھی تھے۔ سچ کہتا ہوں کہ میں تو تمہیں مبارکباد دینے جا رہا تھا مگر ڈرتا تھا کہ تم سمجھو گے' یہ نظر لگا رہا ہے۔

دان ناتھ: مجھ سے تو پریما یہی کہتی ہے کہ تم دبلے ہوتے جا رہے ہو اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ وہ ٹھیک کہتی ہے۔ پہلے تنہا اور آزاد تھا' اب خانہ داری کی فکر سر پر سوار رہتی ہے

'دبلا نہ ہوں گا تو کیا موٹا ہوں گا؟

امرت رائے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے' دان ناتھ کو اتنا کم فہم انہوں نے کبھی نہ سمجھا تھا۔ دان ناتھ نے سمجھا کہ یہ میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہیں۔ میں موٹا ہوں یا دبلا' ان سے مطلب؟ یہ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟ آپ شاید یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پریما کی محبت آمیز خدمت نے مجھے موٹا بنا دیا ہے۔ یہی سہی تو آپ کو کیوں رشک آتا ہے؟ کیا اب بھی آپ کا اس سے کوئی رشتہ ہے؟ کثیف برتن سے صاف پانی بھی گندہ ہو جاتا ہے۔ نفرت سے بھرا ہوا دل پاک مذاق بھی نہیں برداشت کر سکتا۔ یہ وہی دان ناتھ ہیں جو دوسروں کو چٹکیوں میں اڑایا کرتے تھے' اچھے اچھوں کا قافیہ تنگ کر دیتے تھے' آج ساری عقل چرنے چلی گئی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ حضرت مجھے دھوکا دے کر پریما کا پتہ لینا چاہتے۔ مجھ ہی سے اڑنے چلتے ہیں۔ بچہ' ابھی کچھ روز اور پڑھو تب میرے منہ لگنا۔ بولے ''تم ہنسے کیوں؟ کیا میں نے ہنسی کی کوئی بات کہی ہے؟''

امرت رائے: نہیں بھئی۔ تم پر نہیں ہنسا' ہنسا اس بات پر کہ تم نے اپنی عقل اور آنکھ سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔

دان ناتھ: میں نے نہیں چھوڑا' تم نے البتہ چھوڑ دیا ہے۔

امرت رائے: خیر' مجھی کو دھوکا ہوا ہوگا۔ کبھی کبھی آنکھوں کو دھوکا ہو جایا کرتا ہے! مگر تم یونہی دبلے ہوتے چلے گئے تو بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔ کسی ڈاکٹر کو دکھایئے' اگر پہاڑ پر چلنا چاہو تو میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

دان ناتھ: پہاڑ پر جانے میں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ یہاں کوڑی کفن کو بھی نہیں ہے۔

امرت رائے: روپے میں دوں گا' تم چلنے کو ٹھیک کر لو۔ دو مہینے اور ہیں' اپریل میں چل دیں۔

دان ناتھ: تمہارے پاس بھی تو روپے نہیں ہیں' اینٹ پتھر میں اڑا دیئے۔

امرت رائے: پہاڑوں پر صوبہ بھر کے راجے رؤسا آتے ہیں۔ ان سے وصول کریں گے۔

دان ناتھ: خوب! ان روپیوں سے آپ پہاڑوں کی ہوا کھائیں گے۔ اپنے گھر کی جمع لٹا کر اب دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھروگے؟

امرت رائے: تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟ میں چوری کر کے لاؤں گا، تم سے کوئی مطلب نہیں۔

دان ناتھ: جی تو مجھے معاف کیجئے، آپ ہی پہاڑوں کی سیر کریں۔ تم نے فضول اتنے روپے برباد کیے۔ سو پچاس یتیموں کی تم نے مدد کر ہی دی تو کون بڑا ثواب ہوا جاتا ہے؟ ہاں تمہاری لیڈری کی تمنا پوری ہو جائے گی۔

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ امرت رائے اس بارے میں دان ناتھ کے خیالات سے واقف تھے۔ دان ناتھ کو "اپکار" لفظ سے نفرت تھی۔ سیوا کو بھی وہ اتنا ہی قابل نفرت سمجھتے تھے۔ انہیں سیوا اور اپکار کے پردے میں صرف انانیت اور نام و نمود کی خواہش چھپی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ امرت رائے نے کچھ جواب نہ دیا۔ دان ناتھ کوئی جواب سننے کو تیار بھی نہ تھے، انہیں گھر جانے کی عجلت تھی۔ پس انہوں نے اٹھ کر ہاتھ بڑھا دیا۔ دان ناتھ نے ہاتھ ملایا اور رخصت ہوئے۔

ماگھ کا مہینہ تھا اور اندھیرا پاکھ، اس پر کچھ ابر ابھی محیط تھا۔ سڑک پر لالٹین جل رہی تھیں۔ دان ناتھ کو زندگی میں سواری رکھنا نصیب ہی نہ ہوگا۔ انہیں ایسا معلوم ہوا کے ان کی ہمیشہ یہی حالت رہی۔ جب پڑھتے تھے تب بھی تو آخر کھانا کھاتے ہی تھے، کپڑے پہنتے ہی تھے۔ اب کھانے پہننے کے سوا وہ اور کیا کر لیتے ہیں؟ کونسی جائیداد خرید لی؟ کون سا عیش و عشرت کا سامان جمع کر لیا ہے اور اس پر آپ فرماتے ہیں، تم موٹے ہو گئے ہو، باپ کی کمائی ہے مزے سے اڑا دیتے ہیں ورنہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔ اپکار اور سیوا سب دھری رہ جاتی۔ گھر پہنچے ہوئے تو پریما نے پوچھا۔ "آج بڑی دیر لگائی، کہاں چلے

گئے تھے؟ دیر کر کے آنا ہو تو کھا کھا کر جایا کرو۔''

دان ناتھ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تو بہت دیر نہیں ہوئی۔ نو بھی نہیں بجے۔ ذرا امرت رائے کے یہاں چلا گیا تھا۔ عجیب آدمی ہیں' جو بات سوجھتی ہے' بے تکی اپنے پاس جتنے روپے تھے' وہ اینٹ پتھر میں اڑا دیئے۔ اب چندے کی فکر سوار ہے۔ اب اور لیڈروں کی طرح ان کی زندگی بھی چندے ہی پر بسر ہوگی۔''

پریما نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ہاں میں ہاں ملانا چاہتی تھی۔ مخالفت کرنے کی جرأت نہ تھی۔ بولی ''اچھا چل کر کھانا تو کھا لو۔ مہراجن کب سے بھن بھنا رہی ہے کہ یہاں بڑی دیر ہو جاتی ہے۔ کوئی اس کے مکان کا قفل توڑ دے تو کہیں کی نہ رہے۔''

دان ناتھ کو اس وقت کھانا کھانے کی اتنی عجلت نہ تھی جتنی پریما کے جواب سننے کی خواہش۔ آج بہت دنوں کے بعد انہیں اس کے امتحان لینے کا نادر موقع ملا تھا اور کوٹ کے بٹن کھولنے کا بہانہ کرتے ہوئے بولے ''مجھے تو اگر چندوں پر بسر کرنا پڑے تو ڈوب مروں۔ رئیسوں سے کالج کے لیے دو ایک مرتبہ چندہ مانگنے کا مجھے تجربہ ہے۔ گھنٹوں ان کی خوشامد کیجیے' دھرما وتار جو کہتے ہیں' سچ ہے' بس یہ کرنا پڑتا ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کتوں کی طرح دھتکارے جاتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ جب تک کسی کے پاس کافی روپیہ نہ ہو کوئی کام شروع ہی کیوں کرے مگر یہاں تو نام کی ہوس مرے ڈالتی ہے۔ بس میرا ابھی نام ہو جائے۔ میں بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جاؤں۔ جہاں جاؤں میرا ابھی جلوس نکلے' پھولوں کی برکھا ہو۔ کالجوں کے لڑکے گاڑی کھینچیں۔ حیادرا آدمی تو اسے کبھی پسند نہ کرے گا کہ دوسروں کے دان پر مزے اڑائے۔ آپ کو کھیا بننے کی دھن ہے' دس بیس نوجواب بیواؤں کو اِدھر اُدھر سے جمع کر کے راس لیلا رچائیں گے۔ چار دیواری کے اندر کون دیکھتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔

دان ناتھ دل میں امرت رائے کو اتنا کمینہ نہ سمجھتے تھے۔ ہرگز نہیں' انہوں نے صرف پریما کو چھیڑنے کے لیے یہ سوانگ رچا تھا۔ پریما بڑے شش و پنج میں پڑ گئی۔ امرت

رائے کی یہ ہجو اسے ناگوار تھی۔ ان کے متعلق اب بھی اس کے دل میں عقیدت تھی۔ دان ناتھ کے خیالات اتنے پوچ ہیں' اس کا اسے گمان بھی نہ تھا۔ بڑی بڑی حقارت بھری ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر بولی۔ ''میں سمجھتی ہو کہ تم امرت رائے کے ساتھ سخت ناانصافی کر رہے ہو' ان کا دل صاف ہے۔ اس میں مجھے ذرا بھی شبہ نہیں۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں' اس سے سماج کا بھلا ہوگا یا نہیں' یہ تو دوسری بات ہے مگر ان کے بارے میں ایسے الفاظ زبان سے ادا کر کے تم اپنے دل کا ہلکا پن دکھا رہے ہو۔''

یہ دان ناتھ سناٹے میں آ گئے۔ ان کے دل نے کہا۔ ''نکلی نہ وہی بات۔ یہ تو میں پہلے ہی کہتا تھا۔ اگر پریما کا امرت رائے سے کوئی واسطہ نہ ہوتا اگر پریما کی بجائے کوئی دوسری عورت ہوتی تو کیا وہ اتنے تیز الفاظ میں ان کی مخالفت کرتی؟ کبھی نہیں۔ اس کی آنکھوں سے تو چنگاریاں نکلنے لگیں' نتھنے پھڑکنے لگے۔ یہ میری کبھی نہ ہوگی' کبھی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری باتیں اس کے دل میں چبھ گئیں' نرم الفاظ میں تو مجھ سے اختلاف کر سکتی تھی۔ خیر دیکھوں اور کیا گل کھلتا ہے!''

بولے ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم امرت رائے کو دیوتا سمجھ رہی ہو۔ حالانکہ دیوتا بھی پسلتے دیکھتے گئے ہیں۔''

پریما نے عاجزی سے کہا۔ ''میں انہیں دیوتا نہیں سمجھتی مگر جانور بھی نہیں سمجھتی۔ اگر انہیں بری خواہش ہی نے ستایا تھا تو کیا وہ اپنا بیاہ نہیں کر سکتے تھے۔''

دان ناتھ: تو پھر لیڈر کیسے بنتے؟ ہم جیسوں کی صفت میں نہ آ جاتے۔ اپنے تیاگ کا سکہ عوام کے دلوں پر کیسے بٹھاتے؟

پریما: اچھا بس کرو' مجھ پر یا کرو۔ ایسی باتیں اوروں سے کیا کرو۔ میں نہیں سن سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ انسان بھول چوک کا پتلا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آگے چل کر امرت رائے بھی معیار سے گر جائیں' برے راستہ پر چلنے لگیں مگر یہ کہنا کہ وہ اسی نیت سے سارا کام کر رہے ہیں' کم از کم تمہارے منہ سے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ رہی چندے کی بات' جو اپنا

سب کچھ دے ڈالتا ہے' اسے چندہ وصول کرنے میں وقت نہیں ہوتی۔ لوگ خوشی سے اس کو چندہ دے دیتے ہیں۔ چندے انہیں کو نہیں ملتے ہیں جن کے بارے میں لوگوں کو جبہ ہوتا ہے۔

اتنے میں بوڑھی ماں آ کر کھڑی ہو گئی۔ دان ناتھ نے پوچھا ''کیا ہے اماں جی؟''

ماں: تم دونوں میں جھگڑا کیوں ہو رہا ہے؟

ماں: بہو زور سے تو تم ہی بول رہی ہو۔ یہ غریب تو بیٹھا ہوا ہے۔

دان ناتھ نے ہنس کر کہا۔ ''یہی مجھ سے لڑ رہی ہیں اماں۔ میں تو بولتا بھی نہیں۔''

پریما: سچ کہیے گا اماں جی' کون زور سے بول رہا تھا؟ یہ کہ میں؟

ماں: بہو زور سے تو تم ہی بول رہی ہو۔ یہ غریب تو بیٹھا ہوا ہے۔

پریما: ٹھیک کہتی ہیں آپ۔ اپنے لڑکے کو کون برا کہتا ہے۔ میری اماں ہوتیں تو میری ڈگری ہوتی۔

دان ناتھ: اماں جی میں یہی تو وصف ہے کہ وہ سچ ہی بولتی ہیں' تمہیں شرمانا چاہیے۔

ماں: تجھے بھوک لگی ہے کہ نہیں؟ چل کر کھانا کھالے تو جھگڑنا۔ مجھ سے تو اب نہیں رہا جاتا۔ یہ روگ بڑھاپے میں اور لگا۔

دان ناتھ: تم نے کھانا کیوں نہ کھالیا؟ میں تو دن میں دس مرتبہ کھاتا ہوں' میرا انتظار کیوں کرتی ہو؟ آج بابو امرت رائے نے بھی یہ کہہ ڈالا ''تم ان دنوں بہت موٹے ہو گئے۔'' ایک آدھ روز نہ بھی کھاؤں تو کوئی حرج نہیں۔

ماں: ''کیا کہا امرت رائے نے کہ موٹے ہو گئے ہو؟ دل لگی کی ہو گی۔''

دان ناتھ: نہیں اماں جی' سچ مچ کہتے تھے۔

ماں: کہتا تھا اپنا سر' موٹے ہو گئے ہیں! آدھا بدن بھی نہ رہا۔ آپ تو کوتل بنا پھرتا ہے' ویسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے۔ ایک دن بلا کر اسے کھانا وانا کیوں نہیں کھلا دیتے؟ تم نے ادھر اس کی دعوت نہیں کی' اسی سے چڑا ہوا ہے۔ بھلا دیکھتی ہو بہو امرت رائے کی بات؟

دان ناتھ موٹے چاہے نہ ہو گئے ہوں مگر ان میں کچھ تازگی ضرور تھی۔ چہرہ پر کچھ سرخی تھی' بدن بھی کچھ چکنا ہو گیا تھا مگر یہ کہنے کی بات تھی۔ ماؤں کو تو اپنے لڑکے ہمیشہ دبلے ہی معلوم ہوتے ہیں مگر دان ناتھ بھی اس بارے میں کچھ شکی آدمی تھے۔ انہیں ہمیشہ کسی نہ کسی مرض کی شکایت رہا کرتی تھی۔ کبھی کھانا ہضم نہیں ہوا' کھٹی ڈکاریں آ رہی ہیں۔ کبھی سر میں چکر آ رہا ہے۔ کبھی پیروں کے تلوروں میں جلن ہو رہی ہے۔ اس طرف یہ شکایتیں بڑھ گئی تھیں۔ کہیں باہر جاتے تو انہیں کوئی شکایت نہ ہوتی کیونکہ وہاں کوئی سننے والا نہ تھا۔ پہلے تنہا ماں کو سناتے تھے' اب ایک اور سننے والا مل گیا تھا۔ اس حالت میں اگر کوئی انہیں موٹا کہے تو یہ اس کی سراسر زیادتی تھی۔ پریما کو بھی ان کی خاطر کرنی ہی پڑتی تھی۔ اس وقت دان ناتھ کو خوش کرنے کا اسے اچھا موقع مل گیا۔ بولی۔ "ان کی آنکھوں میں سنیچر ہے' دیدی بیچاری ذرا موٹی تھیں' روز انہیں طعنے دیا کرتے تھے۔ گھی مت کھاؤ' دودھ مت پیو۔ غرض پرہیز کرا کرا کر انہیں مار ہی ڈالا۔ میں وہاں ہوتی تو لالہ کی خبر لیتی۔"

ماں: اچھا بدن ہے اس کا۔

دان ناتھ: اچھا نہیں' پتھر ہے! بلغم بھرا ہوا ہے' مہینہ بھر ورزش کرنا چھوڑ دیں تو اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو جائے۔

پریما: موٹا آدمی تو مجھے نہیں اچھا لگتا۔ بدن سڈول اور بھرا ہوا ہو۔ موٹا لہکتا ہوا بدن کس کام کا؟

دان ناتھ: میرے ساتھ کھیلتے تھے تو رلا رلا کر مارتا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد دان ناتھ بڑی دیر تک پریما کی باتوں پر غور کرتے رہے۔ پریما نے پیچھے سے زخم پر مرہم رکھنے والی باتیں کر کے انہیں کچھ ٹھنڈا کر دیا تھا۔ انہیں اب معلوم ہوا کہ پریما جو کچھ کہا' اس کے سوا وہ اور کچھ کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے کملا پرشاد کے منہ سے جو باتیں سنی تھیں' خود دان باتوں کو نہ تولا نہ پرکھا۔ کملا پرشاد کی باتوں کا انہیں یقین ہو گیا تھا۔ یہ ان کی کمزوری تھی۔ حسد کانوں کا کچا ہے۔ رقیب کے بارے میں وہ

سب کچھ سننے کو تیار رہتا ہے' اب دان ناتھ کو سوجھی کہ بہت ممکن ہے کہ کملا پرشاد نے وہ باتیں خود ہی اختراع کی ہوں۔ یہی بات ہے! امرت رائے اتنے کمینے' ایسے کمزور بھی نہ تھے' پریما کی بہادرانہ مخالفت نے اس نشہ کو اور بھی تیز کر دیا جوان پر پہلے ہی سوار تھا۔ پریما جونہی کھانا کھا کر لوٹی' اس سے معافی مانگنے لگے۔ ''تم مجھ سے ناراض ہو گئیں کیا؟'' پریما نے مسکرا کر کہا۔ ''میں؟ بھلا تم نے میرا کیا بگاڑا تھا؟ ہاں میں نے بے ہودہ باتیں بک ڈالی تھیں میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔''

مگر دان ناتھ جہاں مذاق پسند آدمی تھے' وہاں کچھ ضدی بھی تھے۔ جس شخص کے پیچھے بیوی ہی کے ہاتھوں ان کی اتنی بڑی ذلت ہوئی' اسے وہ سستا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ساری دنیا امرت رائے کی تعریف کرے' انہیں کوئی پروا نہ تھی۔ وہ بھی وہی راگ الاپ سکتے تھے۔ وہ بھی تالیاں بجا سکتے تھے مگر ان کی بیوی امرت رائے سے اتنی عقیدت رکھے اور صرف دل میں نہ رکھ کر اس کا ڈھنڈورا پیٹتی پھرے' اس بات کی ذرا بھی پروا نہ کرے کہ اس کے شوہر پر کیا اثر پڑے گا' اسے وہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ امرت رائے اگر بول سکتے تھے تو دان ناتھ بھی بولنے کی مشق کریں گے اور امرت رائے کا غرور توڑ دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی پریما کا بھی وہ پریما کو دکھا دیں گے کہ جن اوصاف کے سبب تو امرت رائے کو قابل عقیدت سمجھتی ہے' وہ اوصاف مجھ میں بھی ہیں اور ان سے زیادہ۔

اسی طرح ایسے دو دوستوں میں باہمی منافرت کی ابتدا ہوئی جو بچپن کے ساتھی تھے۔ وہ دو آدمی جن کی دوستی کی مثال دی جاتی تھی' زمانہ کی طرفہ رفتار سے دو مخالفین کی صورت میں منتقل ہوئے۔ ایک ہفتہ تک دان ناتھ کالج نہ گئے۔ انہیں نہ کھانے کی دسدھ تھی' نہ نہانے کی۔ سارا دن کمرے کا دروازہ بند کیے ہندو دھرم کی حفاظت کے متعلق ایک دل دہلا دینے والی تقریر کی تیاری میں مصروف رہے۔ تنہائی میں سامنے آئینہ رکھ کر کئی بار پورا لیکچر دے ڈالا۔ لیکچر دیتے ہوئے اپنی زبان کی روانی پر انہیں خود حیرت ہوتی تھی۔ ساتویں روز شہر میں نوٹس تقسیم ہو گئی۔ ''سناتن دھرم پر چوٹ'' اس پر مہاشے دان ناتھ کا

ٹاؤن ہال میں لیکچر ہوگا۔ لالہ بدری پرشاد جلسہ کے صدر ہوں گے۔

پریما نے پوچھا۔ ''کیا آج تمہارا لیکچر ہے؟ تم تو پہلے کبھی نہیں بولے۔''

دان ناتھ نے ہنس کر کہا۔ ''ہاں آج امتحان ہے۔ امید تو ہے کہ لیکچر برا نہ ہوگا۔''

پریما: مجھے تو تم نے سنایا ہی نہیں، میں بھی جاؤں گی۔ دیکھوں تم کیسا بولتے ہو۔

دان ناتھ: نہیں، تم وہاں رہو گی تو میں شاید نہ بول سکوں گا۔ تمہیں دیکھ دیکھ کر مجھے شرم آئے گی۔ میں نے ایسی کتنی باتیں لکھی ہیں جن پر میں کبھی عمل نہیں کر سکتا۔ لیکچر سن کر لوگ سمجھیں گے کہ دھرم کا ایسا محافظ آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ تمہارے سامنے اپنے دھرم کا سوانگ رچتے مجھے شرم معلوم ہوگی۔ دو ایک بار بولنے کے بعد جب میں غپ ہانکنے اور دیوتا بننے میں مشاق ہو جاؤں گا تو میں خود تمہیں لے کر چلا کروں گا۔

پریما: لالہ جی نے تمہیں آخری اپنی طرف گھسیٹ ہی لیا۔

دان ناتھ: انہیں تو آج دوپہر تک خبر نہ تھی۔ مجھے خود برا لگتا ہے کہ اصلاح کے نام پر ہندو سماج میں وہ سب برائیاں سمیٹ لی جائیں جن سے مغرب والے اب خود عاجز آ گئے ہیں۔ اچھوت ادھار کا چاروں طرف شور مچا ہوا ہے۔ کنوؤں پر آنے سے مت روکو، مندروں میں جانے سے مت روکو، مدرسے میں جانے سے مت روکو۔ اچھوت ادھار کبل اچھوتوں کو صفائی اور عمدہ چال چلن سکھانے کی کتنی ضرورت ہے۔ اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں، بس انہیں جلدی سے ملا لو ورنہ یہ عیسائی ہو گئے مگر ان کے طور طریق اب بھی وہی ہیں۔ بھوت پوجنے کا ان میں اب بھی وہی رواج ہے۔ بجز اس کے اب وہ شراب زیادہ پینے لگے ہیں۔ چاء کے غلام ہو گئے ہیں اور انگریزوں کے اتارے کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ ان میں اور کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ عیسائی قوم ان سے اور بدنام ہی ہوئی ہے، نیک نام نہیں۔ اسی طرح انہیں ملا کر مسلمان بھی کوئی بڑی فتح نہ حاصل کر سکیں گے۔ بھنگیوں کے ساتھ نماز پڑھ لینے سے یا ان کے ہاتھ کا پانی پی لینے سے کوئی قوم طاقتور ہو سکتی تو آج مسلمانوں کی ساری دنیا پر حکومت ہوتی مگر آج جدھر دیکھیے ادھر ہندوؤں کی طرح وہ بھی

اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ لے دے کے خود مختار اسلامی حکومت میں ایک ٹرکی رہ گیا ہے' وہ بھی اس لیے کہ یوروپین سلطنتوں میں باہمی تقسیم کے متعلق ابھی نا اتفاقی ہے۔ میں کم از کم اتنا فراخ دل ضرور رہوں جتنا امرت رائے ہیں لیکن جو چمار مردہ جانور کھاتا ہے' رات دن چمڑے کے دھونے بنانے میں لگا رہتا ہے' اس کا برتن کنوئیں میں کبھی نہ جانے دوں گا۔ امرت رائے کی میں نے خوب چٹکی لی ہے۔

پریما نے دبی زبان سے کہا۔ ''اب تک وہ تمہیں اپنا مددگار سمجھتے تھے۔ یہ نوٹس پڑھ کر متعجب ہو گئے ہوں گے۔''

دان ناتھ نے ناک سکیڑ کر کہا۔ ''میں ان کا مددگار کبھی نہ تھا۔ سدھار کے جھگڑوں میں کبھی نہیں پڑا۔ میں پہلے بھی کہتا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ دنیا کو اپنے ڈھنگ پر چلنے دو۔ وہ اپنی ضرورتوں کو خود جانتی ہے۔ وقت آوے گا تو سب کچھ آپ ہی آپ ہو رہے گا۔ اب چلتا ہوں۔ کسی دیوتا کی منت مان دو کہ یہ کامیاب ہوئے تو سوا سیر لڈو چڑھاؤں گی۔''

پریما نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا۔''

دان ناتھ: نہیں ابھی میرے سامنے مانو' تمہیں گاتے بجاتے مندر تک جانا پڑے گا۔

لیکچر ہوا اور ایسے معرکہ کا ہوا کہ سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ پہلے دس منٹ تک تو دان ناتھ ہچکتے رہے مگر رفتہ رفتہ ان کی زبان میں طاقت اور روانی آتی گئی۔ وہ اپنے ہی لفظوں کے نغمے میں محو ہو گئے۔ پورے دو گھنٹہ تک ساری مجلس بت بنی بیٹھی رہی۔ جب لیکچر ختم ہوا تو لوگوں کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ان کی آنکھیں کھل گئیں! یہ حضرت تو چھپے رستم نکلے۔ کتنی علمیت ہے' کتنی قابلیت ہے! ساری مذہبی کتابوں کو ہت کر کے رکھ دیا ہے۔ جب دان ناتھ پلیٹ فارم سے اترے تو لوگوں نے دان ناتھ تو لوگوں نے دان ناتھ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اپنی عقیدت کے ]ھول برسانے لگے۔ دان ناتھ کو ایسی بڑی خوشی اپنی زندگی میں کبھی نہ حاصل ہوئی تھی۔

رات کے آٹھ بج گئے تھے' دان ناتھ پریما کے ساتھ بیٹھے ہوئے دون کی ہانک رہے

تھے۔ سچ کہتا ہوں کوئی دس ہزار آدمیوں کا مجمع تھا مگر کیا مجال کہ کسی آدمی کے کھانسنے کی آواز بھی آتی ہو۔ سب کے سب بت بنے بیٹھے تھے۔ تم کہو گی یہ غپ اڑا رہا ہے مگر میں نے لوگوں کو کبھی اس قدر محو نہیں دیکھا۔

دفعتاً ایک موٹر دروازہ پر آئی اور اس میں سے کون اترا؟ امرت رائے۔ ان کی جانی ہوئی آواز دان ناتھ کے کانوں میں آئی۔ ''سوامی جی ذرا باہر تو آیئے یا اندر ہی جمے رہیے گا؟ آیئے۔ ذرا آپ کی پیٹھ ٹھونکوں، سر سہلاؤں، کچھ انعام دوں۔''

دان ناتھ نے چونک کر کہا۔ ''امرت رائے ہیں! یہ آج کہاں سے پھٹ پڑے؟ ذرا پان بھجوا دینا۔''

بیاہ کے بعد آج امرت رائے پہلی مرتبہ دان ناتھ کے گھر پر آئے تھیت۔ پریما تو ایسا گھبرا گئی، گویا دروازے پر بارات آ گئی ہو۔ اس کے منہ سے آواز بھی نہ نکلتی تھی۔ خوف ہوتا تھا کہ کہیں امرت رائے اس کی آواز نہ سن لیں۔ اشارے سے مہری کو بلایا اور پاندان منگا کر پان بنانے لگی۔

ادھر دان ناتھ باہر نکلے تو امرت رائے کے سامنے آنکھیں اٹھتی تھیں مسکرا تو رہے تھے مگر صرف اپنی جھینپ مٹانے کے لیے، امرت نے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''آج تو یار تم نے کمال کر دکھایا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا لیکچر نہ سنا تھا۔''

دان ناتھ پچھتائے کہ یہ بات پریما نے نہ سنی۔ شرماتے ہوئے بولے۔ ''اجی دل لگی تھی، میں نے کہا کہ ذرا یہ تماشہ بھی کر دیکھوں۔''

دان ناتھ:۔ تم کہاں بیٹھے تھے؟ میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔

امرت: سب سے پیچھے کی صف میں منہ چھپائے کھڑا تھا۔ آؤ ذرا تمہاری پیٹھ ٹھونک دوں۔

دان: جی نہیں معاف کیجیے۔ آپ تو پیٹھ سہلائیں گے اور مجھے مہینہ بھر تک مالش کرانی پڑے گی۔ سچ کہنا، میں آگے چل کر بول سکوں گا؟

امرت: اب تو تم میرے ہاتھوں پٹو گے۔ تم نے پہلے ہی لیکچر میں اپنا سکہ جما دیا۔ آگے چل کر تو شاید تمہارا جواب ہی نہ ملے گا۔ مجھے افسوس ہے تو یہی کہ ہم اور تم اب مخالف راستوں پر چلتے ہوئے نظر آئیں گے مگر یار یہاں دوسرا کوئی نہیں ہے۔ کیا تم دل سے سمجھتے ہو کہ اسلاحات سے ہندو طبقہ کو نقصان پہنچے گا؟

دان ناتھ نے سنبھل کر کہا۔ ''ہاں بھئی' ادھر میں نے مذہبی کتب کا جو مطالعہ کیا ہے' اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں مگر بہت ممکن ہے کہ مجھے دھوکا ہوا ہو۔''

امرت: تو پھر ہماری اور تمہاری خوب چھنے گی مگر ایک بات کا خیال رکھنا' ہمارے معاشرتی اسولوں میں خواہ کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو' پلیٹ فارم پر خواہ ایک دوسرے کو نوچ ہی کیوں نہ کھائیں مگر ہماری دوستی ویسی ہی بے لوث رہنی چاہیے۔ ہمارے خانگی تعلقات پر ان باتوں کی آنچ بھی نہ آنے پایے۔ مجھے اپنے اوپر تو بھروسہ ہے مگر تمہارے اوپر مجھے بھروسہ نہیں' معاف کرنا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم۔۔۔۔۔۔

دان ناتھ نے بات کاٹ کر کہا۔ ''اپنی طرف سے بھی میں تمہیں پورا یقین دلاتا ہوں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمارے مذہبی جذبات کا ہماری دوستی پر اثر پڑے۔''

امرت رائے نے مشتبہ انداز سے کہا۔ ''تم کہتے ہو مگر مجھے یقین نہیں آتا۔''

دان: ثبوت مل جائے گا تب تو مانو گے؟

امرت: اور تو مکان میں سب خیریت ہے نا۔ اماں جی سے میرا پرنام کہنا۔

دان: اجی بیٹھو۔ اتنی جلدی کیا ہے' کھانا کھا کر جانا۔

امرت: کئی جگہ جانا ہے۔ اناتھالیہ کے لیے چندہ کی اپیل کرنی ہے۔ پہلے ذرا دس پانچ آدمیوں سے مل تو لوں بھلے آدمی۔ مخالفت ہی کرنی تھی تو یتیم خانہ بن جانے کے بعد کرتے۔ تم نے راستہ میں کانٹے بھکیر دیئے۔

پریما ابھی پان بنا رہی تھی اور امرت رائے چل دیئے۔ دان ناتھ نے آکر کہا۔ ''واہ' ابھی تک تمہارے پان ہی نہیں بنے اور وہ چل بھی دیئے۔ آج مان گئے۔''

پریما: وہ بھی سننے گئے تھے؟

دان: ہاں پیچھے کھڑے تھے۔ سامنے ہوتے تو آج ان کی درگت ہو جاتی۔ انا تھالیہ کے لیے چندہ کی اپیل کرنے والے ہیں مگر دیکھ لینا' کوڑی نہ ملے گی۔ ہوا بدل گئی' اب دوسرے کسی شہر سے چاہے چندہ وصول کرلائیں مگر یہاں تو ایک پائی نہ ملے گی۔

پریما: یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ پرانے پنڈت چاہے سدھاروں کی مخالف کریں مگر تعلیم یافتہ تو نہیں کرسکتا۔

دان: میں شرط لگا سکتا ہوں۔ اگر انہیں پانچ ہزار بھی مل جائیں۔

پریما: اچھا۔ انہیں ایک کوڑی بھی نہ ملے گی' جھگڑا کاہے کا؟ اب روپے لاؤ' کل پوجا کر آؤں۔ بھابھی اور پورنا دونوں کو بلاؤں گی۔ کچھ محلّہ کی عورتیں ہیں۔ دس بیس براہمنوں کو بھوجن کرانا بھی ضروری ہوگا۔

دان ناتھ: یہاں دیوتاؤں کے ایسے بھگت نہیں ہیں۔ یہ پانچ آنے پیسے ہیں۔ سوا پاؤ لڈو منگا لو' چلو چھٹی ہوئی۔

پریما: رام جانے تم نیت کے بڑے کھوٹے ہو۔ بھینس سے چیونٹی والی مثل کرو گے کیا؟ شام کو سوا سیر کہاں تھا' اب سوا پاؤ پر آ گئے۔ میں نے سوا من کی منت مانی ہے۔

دان: سچ؟ مار ڈالا' میرا تو دیوالیہ ہی نکل ہو جائے گا۔

کملا پرشاد نے مکان میں قدم رکھا۔ پریما نے ذرا گھونگھٹ آگے کھینچ لیا اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ کمال نے پریما کی طرف تاکا بھی نہیں۔ دان ناتھ سے بولے ''بھائی صاحب! تم نے تو دشمنوں کی زبان بند کر دی' سب کے سب گھبرائے ہوئے ہیں۔ آج مزہ تو جب آئے کہ چندہ کی اپیل خالی جائے' ایک کوڑی بھی نہ ملے۔''

دان: ان لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ زیادہ نہیں تو بیس پچیس ہزار تو مل ہی جائیں گے۔

کملا: کون۔ اگر پانچ سو سے زیادہ پا جائیں تو مونچھ منڈا ڈالوں۔ بنارس میں منہ نہ

دکھاؤں۔ ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔ گھر گھر جاؤں گا۔ والد صاحب مقابلہ کے لیے کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ دونوں پہلے ہی سے سوچ رہے تھے کہ ان کافروں کا رنگ پھیکا کرنا چاہیئے مگر کوئی اچھا بولنے والا نظر نہ آتا تھا۔ اب آ] کی مدد سے تو ہم سارے شہر کو ہلا سکتے ہیں۔ اجی ایک ہزار لٹھ بند تیار ہیں۔ پورے ایک ہزار! جس دن حضرت کی اپیل ہو گی' چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے جائیں گے' کوئی جانے بھی نہ پائے گا۔ بڑے بڑوں کو ہم لوگ ٹھیک کر لیں گے' اوروں کے لیے لٹھ بند کافی ہیں۔ زیادہ تر تعلیم یافتہ لوگ ہی تو ان کے مددگار ہیں تو ایسے لوگ لڑائی جھگڑے کے قریب نہیں پھٹکتے۔ ہاں کل ایک لیکچر تیار رکھیے گا۔ اس سے بڑھ کر ہو۔ ادھر ان کا جلسہ ہو' اسی وقت ادھر ہمارا بھی جلسہ ہو۔ پھر دیکھیے کیا گل کھلتا ہے۔

دان ناتھ نے کہا۔ ''آپ کو معلوم نہیں کہ حکام سب ان کی طرف ہیں' حاکم ضلع نے تو زمین دینے کا وعدہ کیا ہے۔''

کملا پرشاد حاکم ضلع کا نام سن کر ذرا سہم ہو گئے۔ کچھ سوچ کر بولے۔ ''حکام ان کی پیٹھ بھلے ہی ٹھونک دیں مگر روپے دینے والے آدمی نہیں ہیں۔ پائیں تو الٹا بابو صاحب ہی کو مونڈ ڈالیں۔ ہاں کلکٹر صاحب کا معاملہ ذرا بے ڈھب ہے مگر کوئی بات نہیں۔ دادا جی سے کہتا ہوں کہ آپ شہر کے دس پانچ بڑے بڑے رئیسوں کو لے کر بڑے صاحب سے ملیے اور انہیں سمجھایئے کہ اگر آپ اس معاملہ میں کچھ دست اندازی کریں گے تو شہر میں بلوہ ہو جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے کملا نے پریما سے پوچھا۔ ''تم کس جانب ہو پریما؟''

پریما یہ باتیں سن کر پہلے سے بھری بیٹھی تھی' یہ سوال چنگاری کا کام کر گیا مگر کہتی کیا۔ دل میں اینٹھ کر رہ گئی۔ بولی ''میں ان جھگڑوں میں نہیں پڑتی۔ آپ جانیں اور وہ جانیں۔ میں دونوں طرف کا تماشا دیکھوں گی۔ کہیے اماں جی تو خیریت سے ہیں؟ بھابھی جی آج کل کیوں روٹھی ہوئی ہیں؟ میرے پاس کئی دن ہوئے ایک خط بھیجا تھا۔ میں بہت جلد مائکے چلی جاؤں گی۔''

کملا: ابھاگوں کے لیے دوزخ میں بھی جگہ نہیں ملتی۔ ایک درجن چھٹیاں تو لکھ چکی ہیں مگر مائکے والوں میں تو کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ چاہتی کیا ہیں؟ رات دن جلا کرتی ہیں۔ شاید ایشور نے انہیں جلنے ہی کے لیے بنایا ہے۔ میں ایک دن خود ہی مائکے پہنچا ئے دیتا ہوں۔ انہیں مزہ تب آئے جب روپے کی تھیلی دے دوں اور پوچھو کچھ نہ' ان کا جس طرح جی چاہے خرچ کریں۔ سو یہاں اپنے باپ کا بھی اعتبار نہیں کرتے' پھر وہ کیا چیز ہیں۔

کملا چلا گیا۔ دان ناتھ بھی ان کے ساتھ باہر آئے اور دونوں بڑی دور تک باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔

دفعتاً کملا نے رک کر کہا۔ ''ساڑھے نو بج رہے ہیں۔ چلو سینما دیکھ آئیں۔''

دان: اس وقت! کم از کم ایک بجے تک ہوگا۔ نہیں صاحب آپ جائیں! میں جاتا ہوں۔

کملا نے دان ناتھ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ''اجی چلو بھی' وہیں ہوٹل میں بیٹھ کر کھالیں گے۔ تمہیں منیجر سے ملائیں گے۔ بڑا یار باش آدمی ہے۔ اسی کے مکان میں کھانا بھی کھائیں گے۔''

دان: نہیں بھائی صاحب' معاف کیجیے۔ بیچاری عورتیں میرے انتظار میں بیٹھی رہیں گی۔

کملا: اچھا اگر ایک روز بارہ بجے تک بیٹھی ہی رہیں گی تو کون مری جاتی ہیں۔ عورتوں کو بہت سر چڑھانا اچھا نہیں ہوتا۔

دان ناتھ نے دو چار مرتبہ منع کیا مگر کملا نے نہیں چھوڑا۔ دونوں نے منیجر کے مکان میں کھانا کھایا اور سینما ہال میں جا بیٹھے مگر دان ناتھ کو ذرا بھی لطف نہ آتا تھا۔ ان کا دل مکان پر لگا ہوا تھا۔ پریما بیٹھی اپنے دل میں کیا کہتی ہوگی؟ گھبرا رہی ہوگی۔ برا پھنسا۔ کملا بیچ بیچ میں کہتا جاتا تھا' ''یہ دیکھو چیپلن آیا۔ واہ واہ کیا کہنا ہے' پٹھے تیرے دم کا ظہور ہے!

ارے یار کدھر دیکھ رہے ہو؟ ذرا اس عورت کو دیکھو‘ سچ کہتا ہوں کہ اگر مجھے پانی بھرنے کونو کر رکھ لے تو راضی ہو جاؤں۔ واہ‘ ایسی ایسی پریاں بھی دنیا میں ہیں! ایک ہمارا ملک منحوس ہے! تم تو سو رہے ہو جی۔''

بڑی مشکل سے وقفہ پڑا۔ کملا تو پان اور سگریٹ لینے گئے‘ دان ناتھ نے دوسرے دروازے سے نکل کر گھر کی راہ لی۔

پریما نے کہا۔ ''بڑی جلدی لوٹے‘ ابھی تو گیارہ ہی تو بجے ہیں!''

دان: کیا کہوں تمہارے بھائی پکڑ لے گئے۔

پریما نے تنک کر کہا ''جھوٹ مت بولو۔ بھائی صاحب پکڑ کر لے گئے۔ انہوں نے کہا ہوگا کہ چلو جی ذرا سینما دیکھ آئیں۔ تم نے ایک بار تو نہیں کی ہوگی‘ پھر چپکے سے چلے گئے ہوگے‘ جانتے تو تھے ہی کے لونڈی بیٹھی رہے گی۔''

دان: ہاں قصور تو میرا ہی ہے۔ میں نہ جاتا تو وہ مجھے گود میں نہ لے جاتے مگر مروت نہ توڑ سکا۔

پریما: جی‘ ایسے ہی بڑے مروت دار تو ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہاں کہ بہادر دیکھنے کو جی للچا اٹھا۔

دان: کہہ لو جو چاہو مگر مجھ پر زیادتی کر رہی ہو۔ میں قید سے چھوٹ کر بھاگا ہوں‘ بس اتنا ہی سمجھ لو۔ اماں جی بھی بیٹھی ہیں۔

پریما: انہیں تو میں نے کھلا کر سلا دیا۔ اس وقت جاگتی ہوتیں تو تم سے ڈنڈوں سے باتیں کرتیں‘ ساری شرارت بھول جاتے۔

دان: تم نے بھی کیوں نہ کھا لیا؟

پریما: سکھا رہے ہو تو وہ بھی سیکھ لوں گی۔ بھیا سے میل ہوا ہے تو میری دشا بھی بھابھی کی سی ہو کر رہے گی۔

دان ناتھ اس پر اسرار محبت سے نہال ہو گئے۔ انہوں نے پریما کو گلے لگا کر

کہا۔ ''نہیں پریما، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب تمہیں ایسی شکایت کا موقع کبھی نہ دوں گا۔ چل کر کھانا کھالو۔''

پریما: اور تم؟

دان: میں تو کھا آیا۔

پریما: تو میں بھی کھا چکی۔

دان: دیکھو پریما! دق نہ کرو، میں سچ کہتا ہوں] خوب شکم سیر ہو کر آیا ہوں۔

پریما نے نہ مانا، دان ناتھ کو کھلا کر ہی چھوڑا، تب خود کھایا۔ دان ناتھ آج بہت خوش تھے جس کی مسرت، جس غیر مشتبہ مسرت کی ان کے تخیل میں جگہ تھی، اس کا آج قدرے ظہور ہو رہا تھا۔ ان کا دل کہہ رہا تھا ''میں ناحق اس پر شبہ کرتا ہوں۔ پریما میری ہے، ضرور میری ہے۔ امرت رائے کے خلاف آج میں نے اتنی باتیں کیں اور کہیں پھر بھی تیور پر بل نہیں پڑے۔ آج آٹھ مہینے کے بعد دان ناتھ کو زندگی کی سچی خوشی کا احساس ہوا۔''

پریما نے پوچھا۔ ''کیا سوچتے ہو؟''

دان: سوچتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ خوش قسمت دنیا میں کون ہو گا؟

پریما: میں تو ہوں۔

دان: تم دیوی ہو۔

پریما: اور تم میرے دل و جان کے مالک!

چھ روز گزر گئے۔ کملا پرشاد اور اس کے احباب روز مرہ آتے اور شہر کی خبریں سنا جاتے۔ کن کن روٴسا کو توڑا گیا۔ کن کن محلوں پر دھاوا ہوا، کس کس کچہری، کس کس دفتر پر چڑھائی ہوئی، یہ ساری رپورٹ دان ناتھ کو سنائی جاتی۔ آج یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صاحب بہادر نے امرت رائے کو زمین دینے سے انکار کر دیا۔ اینٹ پتھر اپنے مکان میں بھر رکھے ہیں۔ بس کالجوں کے تھوڑے طلبہ رہ گئے ہیں، سو ان کا کیا ہو سکتا ہے۔ دان ناتھ ان خبروں کو پریما سے چھپانا چاہتے تھے مگر کملا پرشاد کو کب چین آتا تھا۔ وہ جاتے وقت مختصر

رپورٹ اسے بھی سنا دیتے تھے۔

ساتویں روز کملا پرشاد اپنے اور کتنے ہی ساتھیوں کے ساتھ آئے اور بولے ''چلو' ذرا باہر کا ایک چکر لگا آئیں۔''

دان ناتھ نے بے پروائی سے کہا ''مجھے لے کر کیا کرو گے' آپ لوگ تو ہیں ہی۔''

کملا: واہ' واہ' واہ' ۔ اتنے دنوں تک کیا کرتے رہے بھلے آدمی؟ اچھا جلدی سے لکھ لکھا لو۔ یہ کہتے ہوئے کملا پرشاد اندر چلے گئے۔ پریما آج کی رپورٹ سننے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ بولی ''آیئے بھیا جی! آج تو مقابلہ کا دن ہے۔''

کملا: (مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے) کیسا مقابلہ؟ (چٹکی بجا کر) یوں اڑا دوں گا۔

پریما: مار پیٹ تو نہ ہوگی؟

کملا: مار پیٹ کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ ہاں وہ لوگ چھیڑیں گے تو اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ ان کے جلسہ میں ہمارے ہی آدمی زیادہ ہوں گے۔ اس کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ اسپیچ ہونے ہی نہ پائے گی۔ رئیس تو ایک بھی نہ جائے گا۔ ہاں دو چار بگڑے ہوئے جوامرت رائے کے دوست ہیں۔ وہ ضرور پہنچ جائیں گے مگر ان سے کیا ملنا ہے؟ دینے والے تو سیٹھ' ساہوکار ہیں۔ انہیں ہم نے پہلے ہی گانٹھ لیا ہے۔

پریما کو بڑی تشویش ہوئی جہاں اتنے حریف جمع ہوں گے' وہاں جھگڑا ہو جانا بہت ممکن ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہلاء ان پر ٹوٹ پڑیں؟ کیا انہیں ان باتوں کی خبر نہیں ہے؟ سارے شہر میں جس بات کا چرچا ہو رہا ہے' کیا وہ ان کے کانوں تک نہ پہنچی ہوں گی؟ ان کے بھی تو کچھ نہ کچھ مددگار ہوں گے۔ پھر وہ کیوں اس جلسہ کو ملتوی نہیں کرا سکتے۔ کیوں اپنی جان کے دشمن ہوئے ہیں؟ آج ان لوگوں کو جلسہ کرنے دیں' جب یہ لوگ ذرا ٹھنڈے پڑ جائیں تو دو چار ماہ بعد اپنا جلسہ کریں مگر وہ بھی تو ضدی آدمی ہیں' آگ میں کودنے کا تو گویا انہیں مرض ہے۔ کیا میرے سمجھانے سے وہ مان جائیں گے؟ کہیں ایسا تو نہ سمجھیں گے کہ یہ بھی اپنے شوہر کی طرفداری کر رہی ہے؟ دو تین گھنٹہ تک پریما اسی

تشویش میں مبتلا رہی ۔کوئی بات طے نہ کر پاتی تھی ۔دو تین بار خط لکھنے بیٹھی مگر یہ سوچ کر رہ گئی کہ خط انہیں نہ ملا تو؟ ممکن ہے گھر پر نہ ہوں' آدمی انہیں کہاں کہاں کھوجتا پھرے گا؟

چار بجے دان ناتھ اپنے غول کے ساتھ جلسہ میں شریک ہونے چلے ۔پریما کو اس وقت اپنی حالت پر رونا آیا۔ یہ دونوں دوست جن میں گہری محبت تھی' آج ایک دوسرے کے دشمن ہور ہے ہیں اور میرے سبب! امرت رائے سے پہلے میری جان پہچان نہ ہوتی تو آج ایسی لاگ ڈانٹ کیوں ہوتی؟ وہ دلی اضطراب کی حالت میں کبھی کھڑی ہو جاتی اور کبھی بیٹھ جاتی ۔اس کی ساری رقت' ساری نزاکت' ساری محبت اسے امرت کو جلسہ میں جانے سے روکنے کے لیے ان کے گھر جانے کی ترغیب دینے لگی ۔اس کا نسوانی لحاظ ایک لمحہ کے لیے کافور ہو گیا۔ایک مرتبہ اندیشہ ہوا کہ دان ناتھ کو بہت برا معلوم ہوگا مگر اس نے اس اندیشہ کو ٹھکرا دیا۔خوددارانہ غرور سے چہرہ چمک اٹھا۔ میں کسی کی لونڈی نہیں ہوں' کسی کے ہاتھ اپنے اصول کو فروخت نہیں کر ڈالا۔محبت شوہر کے لیے ہے عقیدت ہمیشہ امرت رائے سے رہے گی ۔دفعتاً اس نے کہار کو بلا کر کہا۔''ایک تانگہ لاؤ''

ماں نے پوچھا''ما کہاں ں جاؤ گی بیٹی؟''

پریما: ذرا بابو امرت رائے کے مکان تک جاؤں گی ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آج فساد ضرور ہوگا' انہیں منع کرا دوں کے جلسہ میں نہ جائیں ۔

ماں: بڑی اچھی بات ہے بیٹی! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میری بات تو نہ ٹالے گا۔ جب ننھا سا تھا' جبھی سے میرے گھر آتا جاتا تھا۔ نہ جانے ایسی کیا بات پیدا ہوگئی کہ ان دنوں میں ایسی ان بن ہوئی بہو۔ میں نے دو بھائیوں میں ایسی محبت نہیں دیکھی ۔

پریما: یہ سب بھیا کا پڑھایا ہوا سبق ہے ۔انہیں ابتدا ہی سے بابو امرت رائے سے چڑ ہے ۔ان کا عجیب مزاج ہے۔ان سے زیادہ قابل وہوشیار ہونا ایسا جرم ہے جسے وہ معاف

نہیں کرسکتے۔

ماں: دانو بیچارہ بھولا ہے' ان کی باتوں میں آ گیا۔

تانگہ آ گیا۔ دونوں امرت رائے کے گھر چلیں۔ یہاں معلوم ہوا کے وہ دس منٹ پہلے ٹاؤن ہال چلے گئے۔ پریما اب بڑے سوچ بچار میں پڑی۔ ٹاؤن ہال میں ہزاروں آدمی جمع ہوں گے اور سب کے سب چھٹے ہوئے شہدے۔ وہاں جانا تو مناسب نہیں مگر شاید ابھی جلسہ شروع نہ ہوا ہو اور امرت رائے سے دو چار باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔ زیادہ سوچنے کا وقت نہ تھا۔ تانگے والے سے بولی۔ ''ٹاؤن ہال چلو' خوب تیز' تمہیں ایک روپیہ انعام دوں گی۔''

مگر تانگہ گھوڑا دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ کہاں تک دوڑتا' کوچوان بار بار چابک مارتا تھا مگر گھوڑا صرف گردن ہلا کر رہ جاتا تھا۔ ٹاؤن ہال تک پہنچتے پہنچتے بیس منٹ لگ گئے۔ دونوں جلدی سے اتر کر ٹاؤن ہال کے اندر گئیں تو دیکھا کہ امرت رائے پلیٹ فارم پر کھڑے ہیں اور سینکڑوں آدمی نیچے کھڑے شو مچا رہے ہیں۔ عورتوں کے لیے ایک طرف چقیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں بھی چق کی آڑ میں جا کر کھڑی ہو گئیں۔ مجمع اتنا تھا اور اتنا شہدے جمع تھے کہ پریما کو پلیٹ فارم کی طرف جانے کی ہمت نہ پڑی۔

امرت رائے نے کہا۔ ''معززین! براہ کرم ذرا خاموش ہو جائیے۔ مجھے کوئی طولانی تقریر نہیں کرنی ہے۔ میں صرف دو چار باتیں آپ سے کہہ کر بیٹھ جاؤں گا۔''

کئی آدمیوں نے چلا کر کہا۔ ''دھرم کا دشمن ہے۔''

امرت: کون کہتا ہے کہ میں دھرم کا دشمن ہوں۔

کئی آوازیں۔ ''اور کیا ہو تم؟ بتاؤ کون کون سے وید پڑھے ہو؟''

اس پر چاروں طرف تالیاں بج گئیں اور لوگوں نے شور مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

امرت رائے نے پھر کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگ یہاں جلسہ کی کاروائی میں خلل ڈالنے کا ارادہ کر کے آئے ہیں۔ جن لوگوں نے انہیں سکھا پڑھا کر بھیجا ہے' انہیں بھی جانتا

ہوں۔''

اس پر ایک صاحب بولے۔ ''آپ کسی پر حملہ کیوں کرتے ہیں؟ اس کا نتیجہ برا ہوگا۔''

امرت رائے کی طرف والے ایک نوجوان نے بگڑ کر کہا۔ ''آپ کو اگر یہاں رہنا ہے تو خاموشی کے ساتھ لیکچر سنیئے ورنہ ہال سے چلے جائیے۔''

کئی آدمیوں نے چلا کر کہا۔ ''تو کیا آپ ہمیں پھانسی پر چڑھا دیں گے؟ آپ ہی کی ساری دنیا پر حکومت ہے؟ آپ ہی جرمنی کے قیصر ہیں؟''

اس پر چاروں طرف سے بجیں اور قہقہوں نے ہال کی دیوریں ہلا دیں۔ ایک غنڈے نے جس کی آنکھیں بھنگ کے نشہ میں چڑھی ہوئی تھیں' آگے بڑھ کر کہا۔ ''بیا کھیان پیچھے ہوئی' آؤ ہمارے تمہار پہلے ایک پکڑ ہوی جائے۔''

کالج کے ایک نوجوان نے آپے سے باہر ہو کر اس غنڈے کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ کئی آدمیوں کے سنبھالنے پر بھی نہ سنبھل سکا۔ پھر کیا تھا' سینکڑوں آدمی چھڑیاں لے لے کر پلیٹ فارم کی طرف لپکے۔ کالج کے سب طلبہ اول صف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا خون بھی گرم ہو رہا تھا۔ انہوں نے بھی کرسیاں اٹھائیں' امرت رائے بھی پلیٹ فارم سے اتر آئے اور طلبہ کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگے مگر اس وقت کون کس کی سنتا تھا؟ قریب تھا کہ طرفین میں سخت فساد ہو جائے کہ دفعتاً ایک عورت آ کر پلیٹ فارم پر کھڑی ہوگئی۔ سبھی لوگوں کی توجہ اس کی طرب مبذول ہوگئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں اتنی عاجزی تھی' چراغ کی طرح چمکتے ہوئے چہرہ پر اتنی التجا تھی کہ کرسیاں اوپر اٹھی رہ گئیں۔ ڈنڈے نیچے آ گئے۔ ہر ایک کے دل میں سوال اٹھا' یہ عورت کون ہے؟ یہ موہنی مورت کہاں سے پیدا ہوگئی۔ سبھی متحیرہ ہو کر اس کی طرف تاکنے لگے۔

عورت نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''معززین! آپ کے سامنے آپ کی بہن آپ کی ایک لڑکی کھڑی ہوئی آپ سے بھیک مانگ رہی ہے۔ اسے مایوس نہ کیجئے گا۔۔۔''

ایک بوڑھے بھلے آدمی نے پوچھا۔ ''آپ کون ہیں؟''

عورت: میں آپ کے شہر کے رئیس لالہ بدری پرشاد کی لڑکی ہوں اور اس ناطے سے آپ کی بہن اور بیٹی ہوں۔ ایشور کے لیے بیٹھ جائیے۔ بہن کو کیا اپنے بھائیوں سے اتنی التجا کرنے کا بھی حق نہیں ہے؟ یہ جلسہ آج اس لیے کیا گیا ہے کہ آپ سے اس شہر میں ایسا مکان بنانے کے لیے مدد مانگی جائے جہاں ہماری بے کس و بے یار و مددگار بہنیں اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہوئی آرام سے رہ سکیں۔ کون سا ایسا محلّہ ہے جہاں ایسی دس پانچ بہنیں نہیں دیکھتے؟ کم از کم اس کا اندازہ تو کر ہی سکتے ہیں' وہ جدھر آنکھیں اٹھاتی ہیں' ادھر ہی انہیں بھوت کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو ان کے بے کسانہ حالت کو اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ہماری لاکھوں بہنیں اسی طرح صرف زندگی بسر کرنے کے لیے گر جاتی ہیں۔ کیا آپ کو ان پر رحم نہیں آتا؟ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اگر ان بہنوں کو روکھی سوکھی روٹیوں اور موٹے جھوٹے کپڑوں کا بھی سہارا ہو تو وہ آخرت وقت تک اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرتی رہیں۔ عورت بہت ہی مجبوری کی حالت میں بدچلن ہوتی ہے۔ اپنی عزت سے زیادہ اسے دنیا کی کسی چیز پر فخر نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی چیز کو اتنی قیمتی سمجھتی ہے۔ آپ سبھی صاحبوں کی لڑکیاں اور بہنیں ہوں گی۔ کیا ان چیز پر فخر نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی چیز کو اتنی قیمتی سمجھتی ہے۔ آپ سبھی ساحبوں کی لڑکیاں اور بہنیں ہوں گی۔ کیا ان کے متعلق آپ کا کوئی فرض نہیں ہے آپ لوگوں میں ایسا ایک بھی مرد ہے جو اتنا سنگدل ہو' میں یہ نہیں مان سکتی۔ کون کہہ سکتی ہوں کون کہہ سکتا ہے کہ اناتھوں کی حفاظت کرنا مذہب کے خلاف ہے؟ جو یہ کہتا ہے ] وہ مذہب کے نام کو بدنام کرتا ہے۔ رحم مذہب کی بنیاد ہے۔ میرے بھائی بابو امرت رائے نے ایسا ایک مکان بنانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ وہ اپنی ساری پونجی اس کے لیے وقف کر چکے ہیں' اب وہ اس کام میں آپ کی مدد مانگ رہے ہیں۔ جس آدمی کے پاس کل لاکھوں کی جائیداد تھی' آج بھکاری بن کر آپ سے بھیک مانگ رہا ہے۔ آپ میں سمائی ہو تو اسے بھیک دیجیے۔ نہ سمائی ہو تو کہہ دیجیے کہ بھائی' دوسرا دروازہ دیکھو مگر اسے ٹھوکر تو نہ ماریئے' اسے گالیاں تو نہ دیجیے۔ یہ سلوک آپ

جیسے شریف آدمیوں کی شان کے خلاف ہے۔

ایک صاحب بولے۔ ''کملا بابو کو کیوں نہیں سمجھاتیں؟''

دوسرے صاحب بولے ''اور بابو دان ناتھ بھی تو ہیں!''

پریما ایک لمحہ کے لیے گھبرا گئی۔ اس اعتراض کا کیا جواب دے اعتراض تو بالکل واجبی تھا۔ جو اپنے گھر کے آدمیوں کو نہیں سمجھا سکتا اور دوسروں کے سمجھانے کے لیے کس منہ سے کھڑا ہو سکتا تھا؟ کچھ سوچ کر بولی۔ ''ہاں ضرور ہیں لیکن مجھے آدھ گھنٹہ پہلے تک کچھ نہ معلوم تھا کہ ان لوگوں کے اخلاقی نصائح کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے۔ جو سامنے دکھائی دے رہا ہے۔ باپ ہو‘ چوہر ہو یا بھائی‘ اگر اس نے اس جلسے میں خلل ڈالنے کی کوشش کی ہے تو میں اس کے کام کو قابلِ نفریں خیال کرتی ہوں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی سمجھدار آدمی اتنی پوچ بات کر سکتا ہے۔''

ایک موٹے تازے پگڑی والے آدمی نے کہا۔ ''اور جو ہم کملا بابو سے پچھائے دیئی؟ ہم کاہیاں کا لیوے کا رہا رجون آئیں؟ وہی لوگ بھجن رہا تب آئن۔''

غنڈے کا دل کتنا سادہ‘ کتنا انصاف پسند تھا۔ اسے اب معلوم ہو رہا تھا کہ امرت رائے ادھرم کی اشاعت نہیں بلکہ دھرم کی اشاعت کر رہے ہیں۔ خود اس کی ایک بیوہ بہن ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ ایسے مفید کام کی مخالفت کرتے ہوئے اسے اب خود شرم آ رہی تھی۔ وہ اس الزام کو اپنے سر پر نہ لے کر محرکوں کے سر پر ڈال رہا تھا۔

پریما نے اسی طرح کوئی آدھ گھنٹہ تک اپنی شیریں زبانی‘ اپنی بے خوف راستبازی اور اپنی ذہانت سے لوگوں کو عالمِ محویت میں رکھا۔ اس کا ایک دم پلیٹ فارم پر آ جانا جادو کا کام کر گیا۔ عورت کی بے عزتی کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا امرت رائے کی۔ مرد کی بے عزتی ایک معمولی بات ہے‘ عورت کی بے عزتی کرنا آگ میں کودنا ہے۔ پھر عورت بھی کون؟ شہر کے بڑے رئیس کی لڑکی! لوگوں کے خیالات میں انقلاب سا آ گیا۔ جو لوگ خلل ڈالنے آئے تھے‘ وہ بھی سیر ہو گئے۔ جب پریما نے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے اپنی

آنچل پھیلایا تو وہ نظارہ دکھائی دیا جسے دیکھ کر دیوتا بھی خوش ہو جاتے۔ سب سے بڑی رقمیں ان غنڈوں نے دیں جو یہاں لاٹھی چلانے آئے تھے' غنڈے اگر کسی کی جان لے سکتے ہیں تو کسی کے لیے جان دے بھی سکتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر بابو لوگوں کو بھی جوش آیا جو صرف تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ وہ بھی کچھ نہ کچھ دے گئے۔ عوام غور سے نہیں' جوش سے کام کرتے ہیں۔ مجمع ہی میں اچھے کاموں کی بربادی ہوتی ہے اور برے کاموں کی بھی' کتنے ہی لوگ تو گھر سے روپے لائے' سونے کی انگوٹھیوں' تعویزوں اور کھٹوں کا ڈھیر لگ گیا۔ دس بیس غنڈے تو پریما کے پیر چھو کر گئے۔ وہ اتنے خوش تھے گویا تیرتھ کر کے لوٹے۔

جلسہ برخاست ہوا تو امرت رائے نے پریما سے کہا۔ ''یہ تم نے کیا غضب کر ڈالا پریما؟ دان ناتھ تمہیں مار ہی ڈالیں گے۔''

پریما نے ہنس کر کہا۔ ''جب ان گنواروں کو منالیا تو انہیں بھی منالوں گی۔''

امرت: ہاں پریما' تم سب کچھ کر سکتی ہو۔ میں تو آج دنگ رہ گیا۔ اپنی غلطی ر پچھتاتا ہوں۔

پریما نے بختی سے کہا۔ ''اپنے ہی ہاتھوں تو۔۔۔''

## (11)

پورنا علی الصبح اور دنوں سے آدھ گھنٹہ پیشتر اٹھی۔ اس نے دبے پاؤں سمترا کے کمرے میں قدم رکھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سمترا سوتی ہے یا جاگتی۔ شاید وہ اس کی صورت دیکھ کر معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کو رات کے واقعہ کی خبر ہے یا نہیں۔ سمترا پلنگ پر پڑی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی' پورنا کو دیکھ کر وہ مسکرا پڑی۔ مسکرانے کی کیا بات تھی' یہ تو وہی جانے مگر پورنا کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ بھگوان کہیں اس نے دیکھ تو نہیں لیا؟

سمترا نے اٹھ کر الجھے ہوئے بالوں کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''آج اتنے سویرے کیسے جاگ پڑیں بہن؟''

سوال بالکل معمولی تھا مگر پورنا کو ایسا معلوم ہوا کے یہ اس خاص مضمون کی تمہید ہے۔ آج سویرے جاگ پڑنا ایسا الزام تھا جسے تسلیم کرنے میں کسی بڑی آفت کا اندیشہ تھا۔ بولی ''کیا بہت سویرا ہے؟ روز ہی کا وقت تو ہے۔''

سمترا نہیں نے ہنس کر کہا۔ ''ہو جاتی ہوں گی مجھے معلوم نہیں تھا۔''

پورنا نے زور دے کر کہا۔ ''واہ اتنی سی بات تمہیں نہیں معلوم۔ البتہ تم کو ضرور نہیں آئی۔ کیا ساری رات جاگتی رہیں؟''

سمترا: میری بلا جاگے۔ جسے ہزار بار غرض ہوگی' آئے گا۔ یہاں ایسی کیا پڑی ہے؟ وہ راضی ہی رہتے تھے تو مجھے کون سی بہشت مل جاتی تھی' تب تو اور بھی جلاتے تھے۔ یہاں تو تقدیر میں رونے کے سوا اور کچھ لکھا ہی نہیں۔

پورنا: تم تو فضول ہی روٹھی بیٹھی ہو بہن۔ ایک بار چلی کیوں نہیں جاتیں؟

سمترا کے دل میں آیا کہ رات کا سارا ماجرا کہہ سنائے مگر لحاظ نے زبان بند کر دی۔ بولی ''یہ تو نہ ہوگا بہن'' خواہ ساری عمر اسی طرح گزر جائے۔ میرا کوئی قصور ہو تو میں جا کر مناؤں۔ بے انصافی وہ کریں اور منانے میں جاؤں' یہ نہیں ہو سکتا۔''

یہ کہتے کہتے اس کو رات کی ذلت یاد آ گئی۔ وہ گھنٹوں دروازہ پر کھڑی رہی تھی' وہ جاگتے تھے' پھر بھی دروازہ نہ کھولا۔ تیوریاں چڑھا کر بولی۔ ''پھر کیوں منانے جاؤں؟ میں کسی کو کچھ نہیں جانتی' خواہ ایک خرچ کیا خواہ سو' میرے باہ نے دیئے اور اب بھی دیئے جاتے ہیں۔ ان کے مکان میں پڑی ہوں۔ اتنا گناہ البتہ کیا ہے۔ آخر مرد اپنی عورت پر کیوں اتنا رعب جماتا ہے؟ بہن کچھ تمہاری سمجھ میں آیا؟''

پورنا نے رازدارانہ تبسم کے ساتھ کہا۔ ''کیا یہ آج کی نئی بات ہے؟ مرد نے ہمیشہ عورت کی حفاظت کی ہے۔ پھر رعب کیوں نہ جمائے؟''

سمترا: حفاظت کی ہے تو اپنی غرض سے' کچھ اس لیے نہیں کے عورتوں کے متعلق مردوں کے خیالات بہت وسیع ہیں۔ اپنی جائیداد کے لیے اولاد کی ضرورت نہ ہوتی تو

کوئی مرد عورت کی بات بھی نہ پوچھتا۔ جو عورتیں بانجھ رہ جاتی ہیں' ان کی کتنی درگت ہوتی ہے' یہ بات روز ہی دیکھتی ہوں۔ ہاں ایسے لوگوں کی بات چھوڑو جو رنڈیوں پر جان دیتے ہیں۔

پورنا: میں تو ایسی کئی عورتوں کو جانتی ہوں جو مردوں ہی پر رعب جماتی ہیں' یہ کیوں؟

سمترا: کوئی نکمے مرد ہوں گے۔

پورنا: نہیں بہن۔ نکمے نہیں بلکہ سو سو ماؤں میں ماؤ! ایک نہیں دس پانچ تو اپنے محلّہ ہی میں گنا دوں اور باہر کیوں جاؤں' میرے ہی ماموں تھے جو ممانی صاحبہ کے بلا حکم دروازہ پر سے نہ ٹلتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ کچہری کا سمن آیا تو اندر جا کر پوچھنے لگے کہ ''ارے سنتی ہو! کچہری سے سمن آیا ہے' جاؤں یا نہ جاؤں؟''

سمترا: اگر تمہاری ممانی منع کر دیتیں تو نہ جاتے؟

پورنا: میں تو سمجھتی ہوں کہ نہ جاتے۔ چپڑاسی جبراً پکڑ لے جاتا۔

سمترا: تو تمہاری ممانی امیر گھرانے کی لڑکی ہوں گی؟

پورنا: کیسا امیر گھرانا؟ مول لائی گئی تھیں! ماموں صاحب کی پہلی بیوی مر گئی تھیں تو انہیں مول لے آئے تھے۔

سمترا: کیا کہتی ہو بہن! کہیں عورتیں بکتی ہیں؟

پورنا: عورتیں اور مرد دونوں ہی بکتے ہیں۔ لڑکی کا باپ کچھ لے کر لڑکی بیاہ ہے اور لڑکے کا باپ کچھ لے کر بیاہ ہے۔ یہ بیچنا نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر لڑکے والوں کے لیے لینا کوئی بات نہیں' ہاں لڑکی کا باپ اگر کچھ لے کر لڑکی دے تو برائی کی بات ہے' اس کا رواج نہیں ہے۔

سمترا: مزا تو جبھی آئے کہ لڑکی والے بھی لڑکیوں کا جہیز لینے لگیں' بلا جہیز لیے ہوئے شادی نہ کریں۔ تب مردوں کے ہوش ٹھکانے آ جاویں۔ میرا تو اگر بابو جی بیاہ نہ کرتے تو مجھے اس کا خیال بھی نہ آتا۔ میری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ لڑکی والوں کو ہی لڑکی بیا

بنے کی اتنی غرض کیوں ہوتی ہے؟

پورنا: تم تو بہن بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ لڑکیوں کی شادی میں سال دو سال کی دیر ہو جاتی ہے تو چاروں طرف ہنسی ہونے لگتی ہے۔ لڑکوں کی شادی کبھی نہ ہو تو بھی کوئی نہیں ہنستا۔ دنیاوی رواج بھی کوئی چیز ہے۔

سمترا: انگریزوں میں بہت سی عورتیں کنواری رہ جاتی ہیں تو کیا ہوتا ہے' کیا کیا وہ سب بدچلن ہوتی ہیں؟

پورنا: کسی کے دل کا حال کوئی کیا جانے بہن۔ عورت کمزور ہوتی ہے۔ ایک محافظ کے بغیر اس کی زندگی آرام وسکون کے ساتھ نہیں بسر ہو سکتی۔

سمترا: تو پھر یہ مسیں کیسے کنواری رہ جاتی ہیں؟

پورنا: اس لیے کہ وہ زندگی عیش میں گزارنا چاہتی ہیں یا اولاد کی پرورش کی تکلیف نہیں اٹھانا چاہتیں یا کسی سے قرب کرنا نہیں چاہتیں۔

سمترا: اچھا تمہارے ماموں صاحب عورت سے کیوں دبتے تھے؟ بڑے دبلے پتلے مریض سے آدمی تھے اور تمہاری ممانی بھاری بھرکم عورت تھیں۔

پورنا: ارے نہیں بہن! ممانی تو ایسی دبلی پتلی تھیں کہ پھونک دو تو اڑ جائیں اور ماموں تو پورے بھیم تھے۔ پختہ سوا سیر تو ان کی خوراک تھی مگر ممانی کی آنکھوں کے اشارے پر چلتے تھے۔ کیا مجال کہ اپنی مرضی سے ایک کوڑی خرچ کریں' دن بھر کے بعد بھی ججمانی سے لوٹتے تو کھانا گھر ہی پر کھاتے۔

سمترا: تو وہ بے وقوف ہوں گے؟

پورنا: تو بس۔ اسی طرح مرد بھی ان عورتوں پر رعب جما لیتے ہیں جو بے وقوف ہوتی ہیں۔ ہوشیار عورت پر مرد رعب نہیں جما سکتا اور نہ ایسے مرد پر عورت ہی رعب جما سکتی ہے۔ دونوں میں سے جس کی عقل تیز ہو گی' اسی کی زیادہ چلے گی۔

سمترا: میں تو جاہلوں کو بھی عورتوں کو ڈانٹتے ہوئے دیکھتی ہوں۔

پورنا: تو یہ تو دنیا کا رواج ہی ہے بہن! مرد عورت سے طاقت میں، عقل میں اکثر بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی حکومت ہے۔ جہاں مرد کے بجائے عورت میں یہ باتیں زیادہ ہیں، وہاں عورتوں ہی کی چلتی ہے۔ مرد کما کر کھلاتا ہے تو کیا رعب جمانے سے بھی جائے۔

سمترا: بس۔ بس، تم نے لاکھ روپے کی بات کہہ دی۔ یہی میں بھی سمجھتی ہوں۔ بیچاری عورت کما نہیں سکتی۔ اس لیے اس کی یہ درگت ہے مگر میں کہتی ہوں کہ اگر مرد اپنے کنبہ بھر کو کھلا سکتا ہے تو کیا عورت اپنی کمائی سے اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتی؟

پورنا: لیکن سوال تو حفاظت کا۔ عورت کی حفاظت کون کرے گا؟

سمترا: حفاظت کسی؟ کیا اسے کوئی کھا جائے گا یا لوٹ لے گا؟

پورنا: بدمعاشوں کے سبب ان کا رہنا مشکل ہو جائے گا۔

سمترا: جب ایسی کئی عورتیں مل کر رہیں گی تو کوئی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ ہر عورت اپنے پاس تیز چھرا رکھے۔ اگر کوئی مرد اسے چھیڑے تو اپنی جان پر کھیل جائے، چھرا بھونک دے۔ ایسے دس بیس واقعے ہو جائیں گے تو مردوں کی نانی مر جائے گی۔ پھر کوئی عورتوں کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھا سکے گا۔

پورنا نے متانت سے۔ ''وقت آئے گا تو وہ بھی ہو جائے گا بہن! ابھی تو عورت کی حفاظت مرد ہی کرتا ہے۔''

سمترا: ہمی نے مردوں کی خوشامد کر کے انہیں سر چڑھا رکھا ہے۔

پورنا: یہ تمام باتیں اسی وقت تک ہیں جب تک سوامی روٹھے ہوئے ہیں، ابھی آ کر گلے لگا لیں تو پیر چومنے لگو گی۔

سمترا: کون، میں میں نے ہمیشہ ڈانٹ بتائی ہے۔ جبھی تو مجھ سے لالہ کی کور دبتی ہے۔ وہ کوڑی کوڑی کو دانتوں سے پکڑتے ہیں اور مجھ سے جو کچھ خرچ کرتے بنتا ہے، کرتی ہوں۔ ان سے مانگنے نہیں جاتی، اس پر اور بھی جلتے ہیں۔ آج ہی گنگا نہانے جاؤں گی، یہ

مانی ہوئی بات ہے کہ گھر کی بگھی نہ ملے گی۔ وہ میرے لیے خالی نہیں رہتی' کرائے کی بگھی پر جاؤں گی' چار روپے سے کم خرچ نہ ہوں گے۔ دیکھنا کیسے جامہ سے باہر ہوتے ہیں۔

اتنے میں کہار نے آ کر کہا۔ ''بہو جی! بابو نے ریشمی اچکن مانگی ہے۔''

ستر انے تنک کر کہا۔ ''جا کر کہہ دے جہاں رکھی ہو' ڈھونڈھ لے جائیں۔ یہاں کوئی ان کی لونڈی نہیں ہے' باہر بیٹھے نوابوں کی طرح حکم چلاتے ہیں۔''

کہار نے دست بستہ عرض کی۔ ''سرکار نکال کے دے دیں ناہیں ہمار کندی ہوئے لاگی۔ چمڑی ادھیڑ لیہیں۔''

ستر ا: تیری قسمت میں لات کھانا لکھا ہے' جا کر لات کھا! تو تو مرد ہے' کیا تجھے بھی اور کہیں کام نہیں ملتا؟

کہار چلا گیا تو پورنا نے کہا۔ ''بہن کیوں جھگڑا کرتی ہو؟ لاؤ مجھے کنجی دے دو تو میں نکال کر دے دوں۔ ان کا غصہ جانتی ہو۔''

ستر ا: یہاں کسی کی دھونس سہنے والی نہیں ہوں۔ سو دفعہ غرض ہو' آ کر اپنی اچکن لے جائیں۔ مجھے کوئی تنخواہ نہیں دیتے۔

کہار نے لوٹ کر کہا۔ ''سرکار کہت ہیں کہ اچکن لوہے والی صندوک ماں دھری ہے۔''

ستر ا: تو نے کہا نہیں کہ جا کر نکال لاؤ۔ کیا اتنا کہتے زباں گری جاتی ہے؟

کہار: ای تو ہم ناہیں کہا سرکار' آپ دونوں جنے چھن بھر ماں اکے ہوی ہیں' بیچ ماں ہمار کچُمس ہوئی جائی۔

ستر ا: اچھا تو یہاں سے بھاگ جا ورنہ پہلے میں ہی پیٹوں گی۔

کہار منہ لگا تھا۔ بولا۔ ''سرکار کا جتا مارے کا ہوئے مالیں' مدا بابو جی سے نہ پٹاویں۔ ایس گھونسہ مارت ہیں کہ کوس بھر سے دھما کا سنا ہے۔

ستر ہنسی آ گئی۔ ہنسی ہوئی بولی ۔ ''تو بھی اسی طرح اپنی عورت کو مارتا ہے۔ یہ اسی کا

ڈنڈ ہے۔''

کہار: ارے سرکار جوای ہوت تو کا پوچھے کا رہا۔ مہریا ایس گنن کی پوری ملی ہے کہ بات پیچھو کرت ہے' بہاری پہلے چلاوت ہے۔ جو سرکار' سن بھر پاوے کہ کونو دوسری مہریا سے ہنست رہا تو ٹھاڑھے لیل جائے سرکار' تھر تھر کانپ ہے' بہو جی' بابو جی سے تو ن اتنانا ہیں ڈرائت ہے۔

سمترا: تو تو جنم کا لت خورا ہے۔ بھاگ جا' کہہ دے کہ اپنی اچکن لے جائیں' کیا پیر میں مہندی لگی ہے؟

کہار: جائت ہے سرکار۔ آج بھلے کا منہ نا ہیں دیکھا جان پرت ہے۔

کہار چلا گیا تو پورنا نے کہا۔ ''دیکھی تم تو چھیڑ چھیڑ لڑتی ہو' میں تو یہاں سے بھاگی جاتی ہوں۔''

سمترا نے اس کا آنچل پکڑ لیا۔ ''بھاگتی کہاں ہو؟ ذرا تماشہ دیکھو۔ کیا شیر ہیں جو کھا جائیں گے۔''

پورنا: غصہ میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے بہن! کہیں کوئی بری بات کہہ بیٹھیں تو؟

سمترا: بری کہیں گے تو بری سنیں گے۔

پورنا: اور جو ہاتھ چلا دیا؟

سمترا: ہاتھ کیا چلاویں گے' کوئی کھیل ہے؟ پھر سورت نہ دیکھوں گی۔

کملا پرشاد کے کھڑاؤں کی آواز سنائی دی۔ پورنا کا دل دھڑکنے لگا اور سمترا بھی ایک لمحہ کے لیے سٹپٹا گئی مگر وہ جلدی ہی سنبھل بیٹھی اور اس طرح تیار ہوگئی جیسے کوئی ہوشیار کھلاڑی اپنے مد مقابل کا وار بچاتا ہے۔

کملا نے کمرہ میں قدم رکھتے ہی تیز لہجہ میں کہا۔ ''بیٹھی غپ لڑاتی ہو۔ ذرا اچکن مانگ بھیجی تھی تو اٹھتے نہ بنا۔ باپ سے کہا ہوتا کہ کسی کروڑپتی سیٹھ کے گھر بیاہتے' یہاں کا حال تو جانتے تھے۔''

سمترا نے تڑپ کر کہا۔ "باپ دادا کا نام نہ لینا" کہہ دیتی ہوں۔ وہ پلنگ پر کنجی پڑی ہے اور وہ سامنے صندوق رکھا ہے۔ اچکن لو اور باہر جاؤ۔ یہاں کوئی تمہاری لونڈی نہیں ہے۔ جب اپنی کمائی کھلانا تب ڈانٹ لینا۔ باپ یہ نہ جانتے تھے کہ یہ سب ٹھاٹ بات باہر ہی باہر ہے۔

کملا: تم تو بڑی سمجھدار تھیں، تمہی نے پتہ لگا لیا ہوتا۔

سمترا: جھگڑا کرنا چاہتے ہو یا اچکن لے کر باہر جانا چاہتے ہو؟

کملا: نہیں، جھگڑا کرنا چاہتا ہوں۔

سمترا: اچھی بات ہے۔ جیسا کہو گے ویسا سنو گے۔

کملا: میری اچکن نکالتی ہو یا نہیں؟

سمترا: اگر بھلے مانسی سے کہتے ہو ہاں اور رعب سے کہتے ہو تو نہیں۔

کملا: میں تو رعب ہی سے کہتا ہوں۔

سمترا: تو نکال لو۔

کملا: تمہیں نکالنا پڑے گا۔

سمترا: میں نہیں نکالتی۔

کملا: برا ہوگا سمترا! برا ہوگا، کہے دیتا ہوں۔

سمترا: جو کچھ جی میں آئے کر لینا۔ یہاں بال برابر پروا نہیں ہے۔

کملا: تم اپنے گھر چلی جاؤ۔

سمترا: میری گھر یہی ہیں یہاں سی کہیں نہیں جا سکتی۔

کملا: لکھ پتی باپ کا گھر تو ہے۔

سمترا: باپ کا گھر جب تھا، تب تھا۔ اب تو یہی گھر ہے۔ میں عدالت سے لڑ کر پانچ سو کا مہینہ لوں گی، لالہ اس پھر میں نہ رہنا۔ پیر کی جوتی نہیں ہوں کہ نئی تھی تو پہنا اور پرانی ہو گئی تو اتار کر پھینک دیا۔

ایسا ترکی بہ ترکی جواب کملا نے آج تک کبھی نہ پایا تھا۔ اس کے ترکش میں جو جو تیر تیز سے تیز تھے‘ وہ سب اس نے سر کر دیئے۔ مکان سے نکل جانے تک کی دھمکی دی مگر سمترا پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ سمترا کو مار نہیں سکتا‘ گھر سے نکال نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتا ہے کہ اس کی صورت نہ دیکھے اور اس امر کی سمترا کو کوئی پروا نہیں معلوم ہوتی۔ اب پورنا سے بولا۔ ’’دیکھتی ہو پورنا! ان کی باتیں؟ میں جتنا ہی طرح دیتا ہوں اتنا ہی یہ شیر ہوئی جاتی ہیں۔‘‘

پورنا: آپ سمجھدار ہو کر جب کچھ نہیں سمجھتے تو نہیں کیا کہوں۔

سمترا نے پیچ و تاب کھا کر کہا۔ ’’بہن! منہ دیکھنے کی سند نہیں۔ کاہے سے یہ بڑے سمجھدار بن گئے اور میں بے سمجھ بن گئی؟ اسی مونچھ سے جو آدمی مجھ جیسی سیدھی سادی عورت کو آج تک مٹھی میں نہ کرسکا‘ وہ سمجھدار نہیں بلکہ بیل ہے۔ آخر میں کیوں ان کی دھونس سہوں؟ جو دس باتیں پیار کی کرے‘ اس کی ایک دھونس بھی سہہ لی جاتی ہے۔ جس کی تلوار ہمیشہ میان سے باہر رہتی ہو‘ اس کی کوئی کہاں تک سہے؟‘‘

کملا: کہے دیتا ہوں سمترا‘ رو رو کر دن کاٹو گی۔

سمترا: میری بلا روئے‘ ہاں تم روؤ گے۔

کملا: میں سو شادیاں کرسکتا ہوں۔

سمترا تلملا اٹھی۔ اسی ضرب کا وہ اتنا ہی سخت جواب نہ دے سکتی تھی‘ وہ یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ میں بھی ہزار شادیاں کرسکتی ہوں۔ حقارت آمیز لہجہ میں بولی۔ ’’جو مرد ایک کو نہ رکھ سکا‘ وہ سو کو کیا رکھے گا۔ ہاں چکلہ بسائے تو دوسری بات ہے۔‘‘

کملا شکست کھا گیا۔ جس کی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے پاتی تھی‘ اسے ایک کمزور عورت نے شکست دے دی۔ کوئی لفظ اس کے منہ سے نہ نکلا۔ لال لال آنکھوں سے سمترا کی طرف دیکھ کر الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

دو تین منٹ تک دونوں عورتیں خاموش رہیں‘ دونوں ہی اپنے ڈھنگ پر اس جھگڑے

پر غور کر رہی تھیں۔ سمترا فرح کے غرور سے پھولی ہوئی تھی' اس کا ضمیر اس کی ذرا بھی تحقیر نہ کر رہا تھا۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا مگر پورنا کی رائے میں ساری خطا سمترا کی ہی تھی۔ ذرا اٹھ کر اچکن نکال دیتی تو اس بکواس کی نوبت نہ آتی۔ عورت کا مرد کے منہ لگنا بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ نہ جانے اس کی زبان سے اس برح کے سخت الفاظ کیسے نکلے' پتھر کا کلیجہ ہے۔ بیچارے کملا بابو تو جیسے ٹھک سے رہ گئے۔ ایسی عورت کی اگر مرد بات بھی نہ پوچھے تو اس میں شکایت کیا؟

دفعتاً سمترا بولی۔ ''بہت تاؤ کھا کر گئے ہیں' میرا کیا کر لیں گے؟ اب سیدھے ہو جائیں گے' دیکھ لینا۔ ایسے مردوں کی یہی دوا ہے۔ تمہارا بڑا لحاظ کیا ورنہ ایسی ایسی سناتی کہ کان کے کیڑے مر جاتے۔''

پورنا: سنانے میں تو تم نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی بہن! دوسرا مرد ہوتا تو نہ جانے کیا کرتا۔

سمترا: جو کہے گا]وہ سنے گا ہی' ہزار بار سنے گا۔ دبے وہ جو کسی کا دیا کھاتا ہو۔ میں تو اپنے باپ سے کبھی نہیں دبی' پھر ان کی ہستی ہی کیا ہے؟ سو سو شادیوں کی بنات کہتے ہوئے بھی جسے شرم نہ آئے' وہ بھی کوئی آدمی ہے۔

پورنا: بہن! اوروں کی تو میں نہیں کہتی مگر آج تمہاری ہی ہٹ دھرمی تھی۔

سمترا: اچھا' جلے پر نمک نہ چھڑکو سکھی] جس کے اوپر پڑتی ہے' وہی جانتا ہے۔

پورنا: میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی بہن! مجھ پر ناحق بگڑتی ہو۔

سمترا: سارا الزام میرے سر منڈ رہی ہو اور کیا لاٹھیوں سے مارو گی؟ عورت کمزور ہوتی ہے' اسے نصیحت دینے والے بہت ہوتے ہیں مگر مردوں کو کوئی نہیں سمجھاتا۔ اتنی دیر بیٹھی سنتی رہیں' ایک بار بھی منہ سے نہ نکلا کہ بابو جی کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تم خوش ہو رہی ہو گی کہ اچھا ہو رہا ہے جو اس کی درگت بنائی جاتی ہے۔

پورنا کو یہ آخری جملہ تیر کی طرح لگا۔ وہ متحیر ہو کر سمترا کا منہ تاکنے لگی۔ اگرچہ وہ ہمیشہ

سمترا کی چاپلوسی کیا کرتی تھی، پھر وہ جانتی تھی کہ جس دن کملا پرشاد ساڑھیاں لائے تھے، اسی دن سے سمترا اس کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگی ہے مگر اس موقع پر پورنا نے کملا کی نذر واپس کر کے اپنی سمجھ میں شبہ کو مٹانے میں کامیاب کوشش کی تھی۔ پھر آج سمترا بلا وجہ کیوں اس پر یہ بے رحمانہ حملے کر رہی ہے؟ اسے پھر شک ہوا کہ کہیں سمترا نے رائے کی بات جان تو نہیں لی۔ وہ کوفزدہ ہو کر دبی زبان سے بولی۔ ''بہن! تمہارے دل میں جو بات ہو، صاف صاف کہہ دو۔ مجھ بے کس کو جلا کر کیا پاؤ گی؟ اگر میرا یہاں رہنا تمہیں ناگوار ہو تو میں آج ہی منہ میں کالکھ لگا کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ دنیا میں لاکھوں ودھوائیں پڑی ہیں۔ کیا سبھی کی حفاظت کرنے والے بیٹھے ہیں؟ کسی طرح ان کے دن بھی کٹتے ہی ہیں، میرے دن بھی اسی طرح کٹ جائیں گے اور پھر بھی کوئی سہارا نہیں ہے تو گنگا جی تو کہیں نہیں گئی ہیں۔''

سمترا نے پھر بھی پورنا کے زخمی دل پر مرہم رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اور بھی ناک سکوڑ کر بولی۔ ''مجھے تمہارا رہنا کیوں ناگوار ہوگا بہن! کیا میری چھاتی پر بیٹھی ہو؟ نہ میرا گھر نہ میرا در، نہ میں لینے میں، نہ دینے میں۔ میں کیوں برا منّنے لگی؟ میں ہی کیوں نہ کہیں ڈوب مروں کے سارا گھر شانتی پا جائے۔ بس کی گانٹھ تو میں ہی ہوں۔ سارے گھر کا تو میرے ہی مارے ناک میں دم ہے۔ میں ہی سب کی آنکھوں میں کھٹکی ہوں۔''

پورنا نے یہ باتیں گویا سنی ہی نہیں۔ بیویاں شوہروں سے روٹھ کر ایسی تیاگ کی باتیں عموماً کیا ہی کرتی ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ خود کو سنا کر بولی۔ ''میں جانتی تھی کے اپنے جھونپڑے سے پیر باہر نکالنا میرے لیے برا ہوگا۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے پیروں میں کلہاڑی ماری۔ میں کملا بابو کی باتوں میں آ گئی۔ اتنی جگ ہنسائی اور قسمت میں لکھی تھی۔''

سمترا نے تیز لہجہ میں کہا، ''تو ان بابو صاحب نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔''

اس نے اپنا جملہ ختم تو کر دیا مگر چہرے سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ وہ ابھی اور کہنا

چاہتی ہے مگر کسی وجہ سے نہیں کہہ رہی ہے۔

پورنا نے دروازہ کی طرف جاتے ہوئے روکھی آواز میں کہا۔ ''میرے لیے جیسے کملا بابو ویسی تم۔''

سمترا: تو جاتی کہاں ہو؟ ذرا بیٹھو تو۔

پورنا: نہیں بہن! بیٹھے کا پھل پا گئی' اب جانے دو۔

پورنا ادھر اپنے کمرے میں آ کر رونے لگی' ادھر سمترا نے ہارمونیم پر گانا شروع کیا۔

یہ گانا تھا کہ پورنا پر فتح پانے کا نغمہ۔ پورنا کو تو یہ فتح کا نغمہ ہی معلوم ہوا۔ ایک ایک راگ اس کے دل پر تیر بن کر چوٹ کر رہا تھا۔ کیا اب اس مکان میں اس کا گزر بسر ہو سکتا ہے؟ ناممکن! نہ جانے وہ کونسی منحوس گھڑی تھی جب وہ اس گھر میں آئی تھی۔ اپنے اس جھونپڑے میں رہ کر سلائی کر کے یا چکی پیس کر کیا وہ زندگی بسر نہ کر سکتی تھی۔ بیچاری بلو اس کو آخر تک سمجھاتی رہی مگر قسمت میں تو دھکے کھانے لکھے تھے۔ اس کی بات کیسے مانتی؟

اب پورنا کا دل ایک مرتبہ کملا پرشاد سے باتیں کرنے کے لیے بے قرار ہوا تھا۔ وہ ان سے صاف کہہ دینا چاہتی تھی کہ وہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ اس کے سوا اور کس سے کہے؟ لالہ بدری پرشاد ہنس کر ٹال دیں گے۔ اماں سمجھیں گی یہ میری بہو کی برابری کر رہی ہے۔ ابھی سے چلے جانے میں خیریت ہے' کہیں کوئی دوسرا افسانہ اٹھ کھڑا ہوا تو میں کہیں منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہوں۔ سمترا جو چاہے الزام لگائے دنیا اسی کی بات مانے گی۔

پورنا رات ہی سے تنہائی میں رات کے وقت کملا کے پاس جانے پر پچھتا رہی تھی' ان بھلے آدمی کو بھی اس وقت ہنسی کرنے کی سوجھ گئی مگر وہ ساڑھی میرے بدن پر کھل خوب رہی تھی! مجھے وہاں جانا ہی نہ چاہئے تھا مگر ایک مرتبہ اور ان سے ملنا ہوگا۔ میں دروازہ پر کھڑی رہوں گی۔ مجھے کمرے میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کھڑے کھڑے کہہ دوں گی کہ ''بابو جی اب مجھے جانے دیجیے اور کہیں جگہ نہیں ہے تو بابو امرت رائے کا بدھوا آشرم تو ہے۔ دس پانچ بدھوائیں وہاں رہتی بھی تو ہیں' میں بھی وہیں چلی جاؤں گی تو کیا حرج ہے؟'' وہ سمجھائیں گے تو بہت' سمترا کو ڈانٹنے پر بھی آمادہ ہو جائیں گے مگر اس ڈانٹ ڈپٹ سے جھیلا اور بھی بڑھے گا' طرح طرح کے چکوک لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوں گے۔ ابھی کم از کم لوگوں کو مجھ پر رحم تو آتا ہے' پھر تو کوئی بات پوچھنے کا بھی روادار نہ ہوگا۔ بدھوا پر بد چلنی کا الزام لگتے کتنی دیر لگتی ہے؟

پورنا دن بھر اداس بیٹھی رہی۔ اس کا دل کسی کام میں نہ لگتا تھا۔ خواہش نہ ہوتے

ہوئے بھی کھانا کھانے گئی۔ اندیشہ ہوا کہ کہیں سمترا آ کر جلی کٹی نہ سنانے لگے۔ خدا خدا کر کے کسی طرح دن کٹا‘ رات آئی۔ سمترا نے سر شام ہی سے دروازہ بند کرلیا۔ کھانا ہو جانے کے بعد پورا گھر سوتا پڑ گیا تو پورنا نے دبے پاؤں کملا کے درواے پر جا کر آہستہ پکارا۔ کملا ابھی ابھی سینما سے لوٹا تھا۔ اس نے فوراً ہی کواڑ کھول دیئے اور بولا ”آؤ پورنا! تمہیں دیکھنے کے لے دل بے چین ہو رہا تھا۔“

پورنا نے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا۔ ”میرے وہاں آنے کا کوئی کام نہیں ہے‘ میں آپ سے رخصت ہونے آئی ہوں۔ اس گھر میں اب میرا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آخر میں بھی تو انسان ہوں‘ کہاں تک سب کا منہ تاکوں اور کس کس کی خوشامد کروں؟“

کملا نے دروازہ پر آ کر کہا۔ ”اندر تو آؤ تم تو اس طرح کھڑی ہو گویا چپت مار کر بھاگ جاؤ گی۔ ذرا صبر سے کام لیتے ہوئے بیٹھو تو سنوں کہ کیا بات ہے۔ اس گھر میں کون ہے جو تمہیں آدھی بات بھی کہنے کی جرات کر سکتا ہے؟ اپنا اور اس کا خون ایک کر دوں گا مگر اندر تو آؤ۔“

پورنا: نہیں‘ میرے اندر آنے کی ضرورت نہیں۔ یونہی مجھے طعنے مل رہے ہیں‘ اندر جا کر تو نہ جانے کیا کلنک لگ جائے گا۔

کملا پرشاد نے تیوریا چڑھا کر کہا۔ ”کا نے طعنہ دیا ہے؟ سمترا نے؟“

پورنا: کسی نے دیا ہو۔ آپ کا پوچھنا اور میرا بتلانا دونوں فضول ہیں۔ طعنے والی بات ہو گی تو سبھی طعنے دیں گے۔ آپ کسی کا منہ نہیں بند کر سکتے۔ کیلے کے لیے تو مٹی کا ٹھیکرا بھی تیز چاقو بن جاتی ہے۔ بس سب سے اچھا یہی ہے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں‘ آپ صاحبوں نے میری پرورش اتنے دنوں تک کی‘ اس کے لیے میرا ایک ایک رواں آپ سب کا جس گائے گا۔

کملا: کہاں جانا چاہتی ہو؟

پورنا: کہیں نہ کہیں تھکانا مل ہی جائے گا اور کچھ نہ ہو گا تو گنگا جی تو ہیں ہی۔

کملا: تو پہلے مجھے تھوڑا سا سکھیا دیتی جاؤ۔

پورنا نے حسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ ''کیسی بات منہ سے نکالتے ہو بابو جی میری جان بھی آپ لوگوں کے کام آئے تو مجھے دینے میں خوشی ہی ہو گا لیکن بات بڑھتی جاتی ہے اور آگے چل کر نہ جانے اور کتنیہ بڑھے۔ اس لیے میرا یہاں سے ٹل جانا ہی بہتر ہے۔''

کملا پرشاد نے پورنا کا ہاتھ پکڑ کر اسے جبراً اندر کھینچ لیا اور دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔ ''ہاں اب کہو کیا کہتی ہو؟ سمترا نے بھی تمہیں کچھ کہا ہے؟''

پورنا دروازہ سے لپٹی ہوئی بولی۔ ''پہلے درواہ کھول دو تو میں بتلاؤں۔ کیوں ناحق مجھ بے کس کی زندگی برباد کر رہے ہو؟''

کملا کھول دوں گا' ایسی جلدی کیا ہے؟ پانی میں بھیگ تو نہیں رہی ہو یا میں کوئی ہوا ہوں؟ اگر سمترا نے تمہیں کچھ کہا ہے تو میں ایشور کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسے کل ہی گھر سے نکال باہر کروں گا اور پھر کبھی اس کا منہ نہ دیکھوں گا۔ دیکھو پورنا! اگر تم نے دروازہ کھولا تو پچھتاؤ گی۔ سینہ میں چھری مارلوں گا' چھ ماہ ہوئے جب میں نے تمہیں پہلے پہل دیکھا 'اس وقت سے میرے دل کی جو حالت ہو رہی ہے وہ تم نہیں جان سکتیں۔ اتنے دنوں تک کس طرح صبر کیا' مگر اب صبر نہیں ہوتا۔ خیر جب تب درشن ہو جاتے تھے جس سے دل کی کچھ تسکین ہوتی تھی۔ اب تم یہاں سے جانے کی بات کہتی ہو' تمہارا یہاں سے جانا میرے جسم سے جان کا چلا جانا ہے۔ میں تمہیں روک نہیں سکتا تمہیں روکنے کا مجھے کوئی اختیار نہیں دیتی۔ جاؤ مگر کل ہی سنو گی کہ کملا جہان سے کوچ کر گیا۔

پورنا کا بے ریا دل اس اظہار عشق سے سخت کشمکش میں پڑ گیا۔ اس کا ہاتھ کواڑ کی چٹخنی پر تھا۔ وہ خود بخود چٹخنی کے پاس سے ہٹ گیا۔ وہ خود ایک قدم آگے بڑھ آئی اس کی حالت اس آدمی کی سی ہو گئی جس نے بے جانے کسی لڑکے کا پیر کچل دیا ہو اور جو اس کو درد سے تڑپتا دیکھ کر جلدی ہی دوڑ کر اسے گودی میں اٹھا لے۔ کملا پرشاد جس دن ساڑھی لائے تھے اسی دن سے پورنا کو کچھ چک ہو گیا تھا مگر اس نے اسے مردوں کی تفریح سمجھ لی تھی۔ پس اس

وقت وہ ایسی عشقیہ باتیں سن کر خوفزدہ ہوگئی۔ گھبرائی ہوئی آواز سے بولی۔ ''ایسی باتیں نہ کہو بابو جی۔ میری دنیا و عاقبت نہ بگاڑو۔ پھر میں سچ مچ مرنے تھوڑا ہی جا رہی ہوں۔ کہیں نہ کہیں تو رہوں گی ہی۔ کبھی کبھی آتی رہوں گی مگر اس وقت مجھے جانے دو۔ میری بد نامی سے کیا تمہیں رنج نہ ہوگا؟''

کملا: پورنا! نیک نامی اور بدنامی سب ڈھکوسلا ہے۔ محبت ایشور کی تحریک ہے، اسے قبول کرنا گناہ نہیں بلکہ اس کی توہین کرنا گناہ ہے۔ مجھے ایشور نے دولت دی ہے۔ ایک سے ایک خوبصورت عورتوں کو روزانہ دیکھتا ہوں۔ دولت کے زور سے جسے چاہوں اپنی خواہشوں کا شکار بنا سکتا ہوں مگر قسم لے لو جو آج تک کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہو۔ میرے احباب مجھے بوڑھے بابا کہا کرتے ہیں۔ سمترا کو آئے تین برس ہوگئے مگر اس کو میں نے محبت آمیز نگاہوں سے کبھی نہیں دیکھا لیکن تمہیں دیکھتے ہی مجھے ایسا معلوم ہوا گویا میری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوا گویا تم میرے دل کے مندر میں عرصہ سے براجمان ہو مگر میں لاعلمی کے سبب اس کرب کے راز کو نہ سمجھ سکتا تھا۔ بس جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آجائے۔ اب کتنا ہی چاہتا ہوں کہ تمہیں بھول جاؤں مگر دل پر میرا کوئی بس نہیں چلتا۔ یہی سمجھ لو کہ میری زیست تمہارے التفات پر منحصر ہے۔

یہ کہتے ہوئے کملا کا گلا بھر آیا۔ اس نے رومال نکال کر آنکھیں پونچھیں۔ گویا ان میں آنسو بھر رہے تھے۔

پورنا بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ اس کا سارا ادراک، سارا دل گویا امنڈتی ہوئی لہروں میں بہے جا رہا تھا اور کوئی اس کی فریاد نہ سنتا تھا۔ انسان وحوش وطیور، ساحل کے درخت اور آبادی کے مقامات سب بھاگے جا رہے تھے۔ اس سے دور، کوسوں دور۔ وہ کھڑی نہ رہ سکی۔ زمین پر بیٹھ کر اس نے ایک آہ سرد بھری اور زار و قطار رونے لگی۔

کملا نے پاس جا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گلا صاف کر کے بولا۔ ''پورنا تم جس مصیبت میں ہو، میں اسے جانتا ہوں مگر سوچو کہ ایک زندگی کی قیمت کیا ایک یادداشت سابقہ کے

برابر بھی نہیں۔ میں تمہاری شوہر پرستی کے معیار کو سمجھتا ہوں۔ اپنے شوہر سے تمہیں کتنی محبت تھی' یہ دیکھ چکا ہوں۔ انہیں تم سے کس قدر محبت تھی' یہ بھی دیکھ چکا ہوں۔ اکثر پارک میں ہری ہری گھاس پر لیٹے ہوئے وہ گھنٹوں تمہاری تعریف کیا کرتے تھے۔ میں سن سن کر ان کے بھاگ کو سراہتا تھا اور خواہش ہوتی تھی کہ تمہیں ایک بار پا جاتا تو تمہارے قدموں پر سر رکھ کر روتا۔ متر اسے روز بروز نفرت ہوتی جاتی تھی۔ یہ انہی کا بویا ہوا بیج ہے جو آج پھولنے اور پھلنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔''

پورنا نے سسکتے ہوئے کہا۔ ''بابو جی! تمہارے پیروں پڑتی ہوں۔ مجھے جانے دو۔ میرا جی نہ جانے کیسا گھبرا رہا ہے۔''

کملا نے سر ٹھونک کر کہا۔ ''ہائے پھر وہی بات! اچھی بات ہے' جاؤ۔ اب ایک بار بھی بیٹھنے کو نہ کہوں گا۔''

پورنا جیوں کی تیوں بیٹھی رہی۔ اسے کسی خوفناک انجام کا اندیشہ ہو رہا تھا۔

کملا نے کہا۔ ''اب جاتی کیوں نہیں ہو؟ میں نے تمہیں باندھ تو نہیں لیا ہے۔''

پورنا نے کملا کی طرف افسردہ نگاہوں سے دیکھا اور سر جھکا کر کہا۔ ''تم وعدہ کرتے ہو کہ اپنی جان کی حفاظت کرتے رہو گے؟''

کملا نے بے پروائی سے کہا۔ ''تمہیں میری جان کی سلامتی سے واسطہ؟ جس طرح تم پر میرا کچھ زور نہیں ہے' اسی طرح مجھ پر تمہارا کوئی زور نہیں ہے یا تمہیں بھول ہی جاؤں گا یا اپنی زندگی ہی کا خاتمہ کروں گا مگر اس سے تمہارا کیا بنتا بگڑتا ہے؟ جی میں آئے تو ذرا سا رنج کر لینا ورنہ وہ بھی نہ کرنا۔ میں تم سے گلہ کرنے نہ آؤں گا۔''

کملا: اس کا مطلب ہوا کہ مجھے نہ جینے دو گی' نہ مرنے دو گی یعنی تمہاری مرضی ہے کہ ہمیشہ تڑپتا ہی رہوں۔ یہ حالت مجھ سے نہ برداشت ہو سکے گی۔ تم جا کر آرام سے لیٹو اور میری فکر چھوڑ دو۔ مگر نہیں' یہ میری غلطی ہے جو سمجھ رہا ہوں کہ تم میری زندگی کے خیال سے مجھ سے یہ وعدہ کرا رہی ہو۔ یہ صرف بھکاری کو میٹھے الفاظ میں جواب دینے کا ایک طریقہ

ہے۔ ہاں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے جان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ اسی طرح جیسے تم میری جان کی حفاظر کرتی ہو۔

پورنا یہ وعدہ میں نہیں جانتی' سچا وعدہ کرو۔

کملا: تو جان من' یہ گانٹھ میں باندھ لو کہ کملا پرشاد جدائی کی تکلیف سہنے کے لیے زندہ نہیں رہ سکتا۔

پورنا نے رقت کہ لہجہ میں کہا۔ ''بابو جی! تم نے مجھے بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ تم مجھے مایا جال میں پھنسا کر میری پوری تباہی و بربادی پر تلے ہوئے ہو۔ میرے دل سے فرض کا احساس مٹا جاتا ہے۔ تم نے مجھ پر جادو سا ڈال دیا ہے۔''

کملا نے جوش میں آ کر کہا۔ ''اچھا اب رہو پورنا! ایسی باتوں سے مجھے دلی صدمہ ہو رہا ہے۔ تم سمجھ رہی ہو۔ تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ یہ مایا جال نہیں بلکہ خالص دلی نذر ہے؟ اگر اس کا انجام دیکھنا چاہتی ہو تو یہ لو۔

یہ کہہ کر کملا پرشاد نے کھونٹی پر لٹکتی ہوئی تلوار اتار لی اور اسے میان سے کھینچ کر بولا۔ ''لاش کو سامنے تڑپتی دیکھ کر یقین کر لینا کہ محبت تھی یا ہوس۔''

اگر پورنا صرف ایک لمحہ صبر سے بیٹھی رہ سکتی تو اسے ضرور ثبوت مل جاتا مگر عورت کا نازک دل سہم گیا۔ یہ بات جان کر ہی کملا پرشاد نے یہ تماشہ کیا تھا۔ پورنا نے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی اور بولی ''میں تم سے کوئی ثبوت نہیں مانگ رہی ہوں۔''

کملا: پھر تم نے مایا جال کیسے کہا؟

پورنا: خطا ہوئی' معاف کیجیے۔

کملا: ابھی تمہیں کوئی شبہ ہو تو میں اسے مٹانے کے لیے تیار ہوں۔ اس سے بہتر موت اور میرے لیے کیا ہو سکتی ہے کہ اپنی محبت کی سچائی کا ثبوت دیتے ہوئے تمہارے سامنے اپنی جان قربان کر دوں گا۔

پورنا نے تلوار کو نیام میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم اسی تلوار سے میری زندگی کا خاتمہ

کر سکتے تو کتنا اچھا ہوتو مجھے یقین ہے کہ میں ذرا بھی نہ جھجکتی' سر جھکائے کھڑی رہتی۔''

یہ جملہ مکار کملا کے دل میں اتر گیا۔ ایک لمحہ کیلیے اس کو اپنے کمینہ پن پر افسوس ہوا۔ بھری ہوئی آواز میں بولا۔ ''اگر برہما نے بھی میرے ہاتھوں تمہاری موت لکھی ہوتی' اگر اس قتل کے صلہ میں مجھ کو تینوں لوگ کی سلطنت' بہشت کی ساری حوریں اور دیوتاؤں کی ساری برکتیں ملتی ہوتیں تو بھی تمہارے پاک جسم سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا سکتا۔ اگر میری روح آلودہ ہو جاتی تو بھی میرا ہاتھ تلوار نہ پکڑ سکتا۔ تم نے اس وقت بڑی سخت بات کہہ ڈالی پورنا! ذرا میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو' کیسی دھڑکن ہو رہی ہے۔ دل ہول سا ہو رہا ہے۔ دیکھو اس طرف پان دان رکھا ہے۔ ایک پان بنا کر کھلا دو۔ اسی کو یاد کر کے دل کو تسکین دوں گا۔'' پورنا نے پان کے دو بیڑے بنا کر کملا کو دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

کملا نے پان لے کر کہا۔ ''کھانے کے بعد کچھ دچھنا ملنی چاہئے۔''

پورنا نے مذاق سے کہا۔ ''پریما ہوتیں تو ان سے کچھ دچھنا دلا دیتی' جب آئیں گی تب دلا دوں گی۔''

کملا پان بناتا ہوا بولا۔ ''میری دچھنا یہی ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے کھا لو۔''

پورنا: نہ' میں ایسی دچھنا نہیں لیتی۔ تمہاری کون چلائے' بیڑوں پر کوئی جادو کر دیا ہو۔ مرد اس فن کے بھی تو ماہر ہوتے ہیں۔ میں پختہ ارادہ کر کے آئی تھی کہ دروازہ پر کھڑے کھڑے تم سے یہاں سے جانے کی بات کر کے چلی جاؤں گی مگر تم نے کچھ ایسا منتر پھونکا کہ میں سب کچھ بھول گئی۔

کملا نے بیڑا اس کے منہ کے قریب لے جا کر کہا۔ ''میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گا۔''

پورنا: مرے ہاتھ میں دے دو۔

کملا: جی نہیں' استاد نے مجھے یہ سبق نہیں پڑھایا ہے۔

پورنا: کوئی شرارت تو نہ کرو گے؟

پورنا نے منہ کھول دیا اور کملا نے اسے پان کھلا دیا۔ پورنا کا دل دھڑک رہا تھا کہ مبادا

کملا کوئی زیادتی نہ کر بیٹھے مگر کملا اتنا بے شعور نہ تھا کہ قریب آتے ہوئے شکار کو دور ہی سے چونکا دیتا۔ اس نے پان کھلا دیا اور پلنگ پر بیٹھ کر کہا۔ ''اب یہاں سے کہیں جانے کا نام نہ لینا۔ سارا زمانہ چھوٹ جائے مگر تم مجھ سے نہیں چھوٹ سکتیں۔ زندگی بھر کے لیے یہی گھر تمہارا گھر ہے اور میں تمہارا خادم ہوں۔ جس دن تم نے یہاں سے جانے کا نام لیا' اسی دن میں نے کسی طرف کا راستہ لیا۔''

پورنا نے ایک لمحہ تک غور کرنے کے بعد کمزور آواز میں کہا۔ ''اس کا نتیجہ کیا ہوگا بابو جی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ چوری چھپے کا دھندا کب تک چلے گا؟ آخر ایک دن تمہارا دل مجھ سے ضرور پھر جائے گا۔ تم سمجھنے لگو گے کہ یہ کہاں کا روگ میں نے پالا۔ اس وقت میری کیا گت ہوگی' سوچو؟''

کملا نے استقلال سے کہا۔ ''ایسے شوک کو دل میں نہ آنے دو پیاری! آخر بیاہی عورتیں کیا مردوں کو زنجیروں سے باندھ رکھتی ہیں؟ وہاں بھی تو مرد بات ہی کو نباہتا ہے۔ جو بات کو پورا کرنا نہیں چاہتا تو کیا بیاہ اسے کسی طرح مجبور کر سکتا ہے؟ ستر امیری بیاہتا ہو کر ہی کیا زیادہ سکھی ہو سکتی ہے۔ یہ تو دل مل جانے کی بات ہے۔ جب بیاہ کے موقع پر بغیر جانے بوجھے کہی جانے والی بات کی اتنی اہمیت ہے تو کیا محبت بھرے دل سے نکلنے والی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ ذرا سوچو آدمی زندگی میں سکھ ہی تو چاہتا ہے یا اور کچھ؟ پھر جس طرح آدمی کے ساتھ اس کی زندگی آرام سے گزر رہی ہے' اسے وہ کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ بیدردی یا مکاری کیسے کر سکتا ہے؟''

پورنا نے نرم اعتراض کے لہجہ میں کہا۔ ''بیاہ کی بات اور ہوتی ہے بابو جی! میں ایسی نادان نہیں ہوں۔''

کملا نے مسکرا کر کہا۔ ''نہیں تم بھلا نادان ہو سکتی ہو' رام رام تم وید شاستر سبھی پڑھے بیٹھی ہو۔ اچھا بتلاؤ' بیاہ کتنے قسم کے ہوتے ہیں؟''

پورنا: بیاہ کتنے قسم کے ہوتے ہیں' اس کا مطلب؟

کملا: بڑی عقلمند ہو تو اس کا مطلب سمجھو۔

پورنا: کیا بیاہ بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں؟ ہم نے تو ایک ہی قسم کا بیاہ سب جگہ دیکھا ہے۔

کملاپرشاد نے بیاہ کے سات اقسام بتلائے۔ کس وقت کون سا چلن رائج تھا' اس کے بعد کون سا چلن رائج ہوا اور موجودہ وقت میں کون کون سے چلن رائج ہیں۔ یہ ساری داستان بہت سی بے سر پیر کی باتوں کے ساتھ مشتاق پورنا سے کہہ سنائیں۔ سمر یتوں کا عالم بھی اتنے غیر مشتبہ انداز سے اس موضوع پر بات نہ کرسکتا تھا۔

پورنا نے پوچھا۔ تو ''گندھرب بیاہ ابھی تک ہوتا ہے؟''

کملا: کچھ نہیں' عورت اور مرد ایک دوسرے سے قول وقرار کرتے ہیں] بس بیاہ ہو جاتا ہے۔ ماں' باپ' بھائی' پنڈت' پروہت کسی کا کام نہیں۔ ہاں لڑکا اور لڑکی دونوں ہی کا بالغ ہونا ضروری ہے۔

پورنا نے بے اعتباری کے لہجہ میں کہا۔ ''بیاہ کیا لڑکوں کا کھیل ہے؟''

کملاپرشاد نے معترضانہ انداز سے کہا۔ ''میری سمجھ میں تو جسے تم بیاہ سمجھ رہی ہو' وہی لڑکوں کا کھیل ہے۔''

پورنا نے پھر شک کا اظہار کیا۔ ''دنیا تو ایسے بیاہ کو نہیں مانتی۔''

کملاپرشاد نے جوش سے کہا۔ ''دنیا اندھی ہے' اس کے سارے کاروبار الٹے ہیں۔ میں ایسی دنیا کی پروا نہیں کرتا۔ آدمی کو ایشور نے اس لیے نہیں بنایا ہے کہ وہ رو رو کر اپنی زندگی کے دن گزارے۔ صرف اس لیے کہ دنیا ایسا چاہتی ہے۔ معمولی کاموں میں جب ہم سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو ہم اسے فوراً درست کرتے ہیں۔ تب زندگی کو ہم کیوں ایک غلطی کے لیے برباد کریں؟ اگر آج کسی ناگہانی صدمہ سے یہ مکان گر پڑے تو ہم کل ہی اسے پھر بنانے شروع کر دیں گے مگر جب کسی کمزور عورت کی زندگی پر کوئی ناگہانی آفت پڑ جاتی ہے تو اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے نام کو روتی رہے۔ یہ کتنی

بڑی نا انصافی ہے؟ مردوں نے یہ قاعدہ سرف اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلیے بنایا ہے۔ بس اس کا اور کوئی مطلب نہیں۔ جس نے اس امر کا فتویٰ دیا' چاہے وہ دیوتا ہو' چاہے رشی' چاہے مہاتما۔ میں اسے انسانی طبقہ کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہوں۔ عورتوں کے لیے شوہر پرستی کی بیچ لگا دی۔ دوبارہ بیاہ ہوتا تو اتنی اناتھ عورتیں ان کے پنجہ میں کیسے آتیں؟ بس یہی سارا راز ہے۔ انصاف تو ہم تب سمجھتے جب مردوں کو بھی ویسی ہی ممانعت ہوتی۔''

پورنا بولی۔ ''سمرتیاں مردوں ہی کی بنائی تو ہوں گی؟''

کملا: اور کیا' یہ سب دغابازوں کی کاروائی ہے۔

پورنا: اچھا تو تم بابو امرت رائے کو کیوں بدنام کرتے ہو؟

کملا: صرف اس لیے کے ان کے طور وطریقے اچھے نہیں۔ وہ بیاہ کی قید میں نہ پڑ کر چھوٹے سانڈ بنے رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا بدہوا آشرم صرف ان کی نفس پرستی کا مقام ہوگا' اس لیے ہم ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اگر وہ بیوہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ملک میں بیواؤں کا بھلا ہوگا مگر وہ شادی نہ کریں گے۔ بعض لوگوں کو ٹٹی کی آڑ سے شکار کھیلنے میں مزہ آتا ہے مگر ایشور نے چاہا تو ان کا آشرم تیار نہ ہو سکے گا۔ سارے شہر میں انہیں کوڑی بھر کی بھی مدد نہ ملے گی۔ (گھڑی کی طرف دیکھ کر) ارے دو بج رہے ہیں۔ اب دیر نہ کرنی چاہئے۔ آؤ اس چراغ کے سامنے ایشور کو گواہ کر کے ہم دونوں قسم کھائیں کہ عمر بھر ہم متاہلانہ عہد کا ایفا کریں گے۔

پورنا کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ ''ابھی نہیں بابو جی! سال بھر نہیں۔ تب تک سوچ لوں' میں بھی سوچ لوں' جلدی کیا ہے؟''

یہ کہتی ہوئی وہ دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئی اور کملا پرشاد کھڑے تاکتے رہ گئے۔ چڑیا دانہ چگتے چگتے قریب آ گئی تھی مگر جونہی شکاری نے ہاتھ بڑھایا کہ وہ پھر سے اڑ گئی! مگر کیا وہ ہمیشہ شکاری کی ترغیبوں سے بچتی رہے گی؟

پورنا کتنا ہی چاہتی تھی کہ کملا پرشاد کی طرف سے اپنا دل پھیر لے مگر یہ شک اس کے دل میں سما گیا تھا کہ مبادا انہوں نے خودکشی کر لی تو کیا ہوگا؟ رات کو وہ کملا پرشاد سے بے رخی کر کے چلی تو آئی تھی مگر بقیہ رات اس نے اسی اندیشہ میں گزاری۔ اس کا منحرک دل عقیدت شوہر ضبط اور عہد کے خلاف طرح طرح کی دلیلیں کرنے لگا۔ کیا وہ مر جاتی تو اس کا شوہر دوسرا بیاہ نہ کرتا؟ ابھی ان کی عمر ہی کیا تھی؟ پچیس برس کی عمر میں کیا وہ مجردرہ کر زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے؟ ہرگز نہیں۔ اب اسے یاد ہی نہ آتا تھا کہ پنڈت بسنت کمار نے اس کے ساتھ کبھی اتنی گہری محبت کا اظہار کیا تھا۔ انہیں اتنی فرصت ہی کہاں تھی۔ سارے دن تو دفتر میں بیٹھے رہتے تھے۔ پھر انہوں نے اسے آرام ہی کیا پہنچایا؟ ان کے ساتھ بھی رو رو کر ہی زندگی بسر ہوتی تھی' کیا رو رو کر جان دینے کے لیے اس کا جنم ہوا ہے؟ سورگ اور نرف سب ڈھکوسلا ہے۔ اب اس سے زیادہ تکلیف وہ نرگ کیا ہوگا؟ جب نرگ ہی میں رہنا ہے تو نرگ ہی سہی۔ کم از کم زندگی کے کچھ دن تو آرام سے گزریں گے' جینے کا کچھ سکھ تو ملے گا۔ جس سے محبت ہو وہی اپنا سب کچھ ہے۔ بیاہ وغیرہ سب کچھ دکھاوا ہے۔ چار حرف سنسکرت کے پڑھ دینے سے کیا ہوتا ہے؟ بیاہ کیا عورت کو مرد سے باندھ دیتا ہے؟ وہ بھی دل ملنے ہی کا سودا ہے۔ عورت اور مرد کا دل نہ ملا تو بیاہ کیا ملا دے گا۔ بیاہ ہونے پر بھی تو مرد کی کب خواہش ہوتی ہے تو عورت کو چھوڑ دیتا ہے۔ بیاہ کے بغیر بھی عورت مرد زندگی بھر محبت سے رہتے ہیں۔

اسی قسم کے بڑے سوچ بچار میں پڑے رہ کر پورنا نے سویرا کر دیا۔

علی الصبح وہ بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ سمترا آ کر کھڑی ہو گئی۔ پورنا نے ملائمت سے کہا۔ ''بیٹھو بہن!'' آج تو بڑے سویرے نیند کھل گئی؟'' سمترا نے سخت لہجہ میں کہا۔ ''نیند آئی ہی کسے تھی۔''

پورنا: نجانے کس طبیعت کے آدمی ہیں؟

ستمرا: کیا تم نے بھی ابھی تک ان کی تھاہ نہیں پائی؟ تم تو ان باتوں میں بڑی ہوشیار ہو؟

پورنا نے مشتبہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں نے یہ علم نہیں پڑھا ہے۔''

ستمرا: پہلے میں بھی ایسا ہی سمجھتی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ مجھے دھوکا ہوا تھا۔

پورنا نے مصنوعی غصہ سے کہا۔ ''تم تو بہن آج لڑنے آئی ہو۔''

ستمرا: ہاں آج لڑنے ہی آئی ہوں۔ ہم دونوں اب اس مکان میں نہیں رہ سکتے۔

پورنا نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ایسا معلوم ہوا گویا زمین نے اپنے سارے بوجھ سے اسے دبا دیا ہو۔

ستمرا نے پھر کہا۔ ''تم نے جب پہلے پہل اس گھر میں قدم رکھا تھا' جبھی میں کھٹکی تھی۔ مجھے اسی وقت اندیشہ ہوا تھا کہ تمہارا یہ حسن و شباب اور اس پر یہ سادہ مزاجی میرے لیے مضر ساں ہوگا۔ اسی لیے میں نے تمہیں کوئی نہ چھیڑتا تو تم تمام عمر اپنے عہد پر قائم رہتیں مگر پانی میں رہ کر اس کے تھپیڑوں سے بچا رہنا تمہاری طاقت کے باہر تھا۔ بے لنگر کی کشتی لہروں میں ساکت نہی رہ سکتی۔ پڑی ہوئی دولت کو اٹھا لینے میں کسے تامل ہوتا ہے؟ میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا ہے پورنا! تم دھوکا نہیں دے سکتیں۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں' وہ تمہارے ہی بھلے کی کہہ رہی ہوں۔ اب بھی اگر بچ سکتی ہو تو اس بدکار شخص کا سایہ بھی اپنے اوپر پڑنے دو۔ یہ نہ سمجھو کہ میں اپنے لیے تو جیسے کنتا گھر رہے ویسے رہے بدلیں۔'' والی مثل ہے۔ البتہ مجھے تمہاری فکر ہے۔ یہ شیطان تمہیں کہیں کا نہ رکھے گا۔ میں تمہیں ایک صلاح دیتی ہوں' کہو تو کہوں' کہو نہ تو کہوں۔''

پورنا نے منہ سے تو کوئی جواب نہ دیا' صرف ایک مرتبہ دکھ بھری آنکھوں سے دیکھ کر سر جھکا لیا۔

ستمرا بولی: ''اس سے تم صاف صاف کہہ دو کہ وہ تم سے شادی کر لے۔''

پورنا نے آنکھیں پھیلا کر دیکھا۔

سمترا: شادی میں صرف ایک بار کی جگ ہنسائی ہے' پھر کوئی کچھ نہ کہہ سکے گا۔ اس طرح چھپ چھپ کر ملنا تو آتما اور پرلوک دونوں کو تباہ کر دے گا۔ اس کی محبت کا امتحان بھی ہو جائے گا۔ وہ اگر شادی کرنے پر رضامند ہو جائے تو سمجھ لینا کہ اس کو تم سے سچی محبت ہے ورنہ سمجھ لینا کہ اس نے نفس پرستی کی دھن میں تمہاری آبروریزی کا تہیہ کر لیا ہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اس سے پھر نہ بولنا اور نہ اس کی صورت دیکھنا۔ میں کہو لکھ دوں کہ وہ شادی کرنے پر کبھی رضامند نہ ہوگا۔ وہ تمہیں خوب سبز باغ دکھائے گا۔ طرح طرح کے حیلے کرے گا مگر خبردار' اس کی باتوں میں نہ آنا۔ پکا جعلساز ہے۔ رہی میں' سو میں تو ٹھان لیا ہے کہ لالہ کے منہ میں کالکھ لگا دوں گی' بلا سے میری آبرو جائے۔ بلا سے میری بربادی ہو جائے مگر انہیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رکھوں گی۔

پورنا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ ''میں ہی کیوں نہ منہ میں کالکھ لگا کر کہیں ڈوب مروں بہن؟''

سمترا: تمہارے ڈوب مرنے سے میرا کیا فائدہ ہوگا؟ نہ وہ اپنی عادت چھوڑ سکتے ہیں اور نہ میں اپنی عادت چھوڑ سکتی ہوں۔ نہ وہ پیسوں کو دانت سے پکڑنا چھوڑیں گے اور نہ میں پیسوں کو ہیچ سمجھنا چھوڑوں گی۔ انہیں چھچھورے پن سے رغبت ہے' اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا خبط ہے' مجھے ان باتوں سے نفرت ہے۔ اب تک میں نے ان کو اتنا چھچھورا نہ سمجھا تھا۔ سمجھتی تھی کہ وہ محبت کر سکتے ہیں۔ خود ان سے محبت کرنے کی کوشش کرتی تھی مگر رات میں نے جو کچھ دیکھا' اس نے ان کی رہی سہی عزت بھی مٹا دی۔ اور ساری برائیاں سہہ سکتی ہوں مگر بدچلنی کا سہنا میری طاقت سے باہر ہے۔ میں ایشور کی قسم کھا کر کہتی ہوں پورنا! تمہارے متعلق مجھے کوئی شکایت نہیں۔ تمہاری طرف سے میرا دل بالکل صاف ہے بلکہ مجھے تمہارے اوپر رحم آتا ہے۔ میں نے اگر غصہ میں کوئی سخت بات کہہ دی ہو تو معاف کرنا۔ جلتے ہوئے دل سے دھوئیں کے سوائے اور کیا نکل سکتا ہے؟

پورنا کا سارا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ گویا زمین نیچے دھنستی جاتی تھی۔ اس کا دل کبھی اتنا کمزور نہ ہوا تھا۔ وہ کوئی اعتراض نہ کر سکی۔ اس کی زندگی اس وقت سمترا کی مٹھی میں تھی۔ سمترا کے بجائے وہ ہوتی تو کیا وہ اتنی فراخ دل ہو سکتی تھی؟ ہرگز نہیں، وہ اس کو زہر کھلا دیتی۔ اس کے حلق پر چھری پھیر دیتی۔ اس رحم نے بدنصیب پورنا کو اتنا متاثر کیا کہ وہ روتی ہوئی اس کے قدموں پر گر پڑی اور سسکیاں بھرتی ہوئی بولی ''بہن مجھ پر رحم کرو!''

سمترا نے اسے اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تو کہہ بہن کے میرا دل تمہارے طرف صاف ہے۔ بس اب تو ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ اس مکار سے پیچھا چھوٹے۔ اسے تمہاری طرف دیکھنے کی بھی جرات نہ ہو۔ اسے تم اب کی کتے کی طرح دھتکار دو۔''

پورنا نے عاجزانہ لہجہ میں کہا۔ ''تو کیا تم سمجھتی کہ یہ سن کر میں بھی اس کے آگے سر کھا دیتی؟ ہزار بار نہیں۔ میں صاف کہتی کہ ضرور جان دے دو۔ کل دیتی ہو تو آج ہی دے دو۔ تم سے نہ بنے تو لاؤ میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں۔ ان بدمعاش مکاروں کا یہ بھی ایک لڑکا ہے۔ اسی طرح محبت جتا کر یہ عورتوں پر اپنا رنگ جماتے ہیں۔ ایسے بے حیا مرا نہیں کرتے، مرتے ہیں وہ جن میں سچائی کی طاقت ہوتی ہے۔ ایسے نفس کے بندے مر جائیں تو دنیا بہشت بن جائے۔ یہ بدکار بازاری عورتوں کے پاس نہیں جاتے۔ وہاں ان کی نانی مرتی ہے۔ پہلے تو رنڈی پورہ پوجا لیے بغیر سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی۔ دوسرے وہاں شہر کے شہدوں کا جمگھٹا رہتا ہے۔ کہیں کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کی ہڈی پسلی چور کر دے۔ یہ ایسے ہی شکار کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں نہ پیسے کا خرچ ہے نہ پٹنے کا خوف، ہڑ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آوے۔ چکنی چپڑی باتیں کیں، محبت کا سوانگ بھرا اور بس ایک بے ریا دل کے مالک بن بیٹھے۔''

پورنا نے کچھ تیزی سے کہا۔ ''میری عقل پر نہ جانے کیوں پردہ پڑ گیا۔''

سمترا نے تسکین دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بہن! ایسا

پردہ پڑنا کوئی انوکھی بات نہیں، میں خود نہیں کہہ سکتی کہ محبت کی میٹھی میٹھی باتوں میں پڑ کر کیا کر بیٹھتی۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے بہن! دولت سے چاہے آدمی کا جی بھر جائے مگر محبت سے نہیں بھرتا۔ ایسے کان بہت کم ہیں جو محبت کے الفاظ سن پھول نہ اٹھیں۔''

دفعتاً کملا پرشاد ہاتھ میں ایک خط لیے ہوئے آیا مگر دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی سمترا کو دیکھا تو جھجکتے ہوئے بولا۔ ''پورنا، پریما نے تمہیں بلایا ہے۔ میں نے گاڑی تیار کرنے کو کہہ دیا ہے۔ چلو تمہیں پہنچا دوں۔''

پورنا نے سمترا کی طرف دیکھا۔ گویا اس نے پوچھ رہی تھی کہ تمہاری کیا رائے ہے مگر سمترا دیوار کی طرف تاک رہی تھی، گویا اس اسے پورنا سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔

پورنا نے ہچکتے ہوئے کہا۔ ''آپ جائیں، میں کسی وقت چلی جاؤں گی۔''

کملا: نہیں، شاید کوئی ضروری کام ہے۔ اس نے ابھی بلایا ہے۔

پورنا نے پھر سمترا کی طرف دیکھا مگر سمترا ہنوز دیوار کی طرف تاک رہی تھی۔ پورنا سے نہ ہاں کہتے بنتا تھا نہ نہیں۔ پریما سے وہ ادھر مہینوں سے نہ مل سکی تھی۔ اس سے ملنے کے لیے دل بے قرار ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں بلایا ہے، اتنی جلدی بلایا ہے تو یقیناً کوئی ضروری کام ہوگا۔ راستہ بھر کی تو بات ہے، ان کے ساتھ جانے میں حرج ہی کیا ہے؟ وہاں دو چار روز رہنے سے دل بہل جائے گا۔ ان حضرت سے تو پنڈ چھوٹ جائے گا۔ یہ سوچ کر اس نے کہا۔ ''آپ کیوں تکلیف کیجیے گا، میں تنہا چلی جاؤں گی۔''

کملا نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ ''جب مرضی ہو چلی جانا، میں تو اسی وقت جا رہا ہوں۔ دان ناتھ بابو سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ میں نے رمہارے آرام کے خیال سے کہا تھا کہ اسی گاڑی پر تمہیں بھی لیتا چلتا۔''

پورنا اب کوئی اعتراض نہ کرسکی۔ بولی ''تو کب جایئے گا؟''

کملا نے دروازے کے باہر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تیار ہوں۔''

پورنا بھی جھٹ پٹ تیار ہوگئی۔ کملا چلا گیا تو اس نے سمترا سے کہا۔ ''اس کے ساتھ

جانے میں کوئی حرج ہے بہن؟''

سمترا نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''ساتھ جانے میں کیا حرج ہے مگر دیکھو مجھے بھول نہ جانا' جلد ہی آنا۔''

سمترا نے یہ با صرف دنیا داری کے خیال سے کہی تھی ورنہ دل میں وہ پورنا کے جانے پر مطمئن نہ تھی۔ پورنا کا دل کملا پرشاد کی طرف سے منحرف کر دینے کے بعد اسش کے لیے اس سے بہتر اور کون سی بات ہو سکتی تھی کہ ان دنوں میں کچھ دنوں کے لیے علیحدہ گی ہو جائے؟ پورنا یہاں آنا نہ چاہے گی اور پریما خود اسے جانے کو کیوں کہنے لگی۔ اس کے یہاں رہنا گوارا کر لے تو اس کو منہ ما گی مرا دل جائے۔ سمترا کو پورنا کے چلے جانے میں اپنی بھلائی نظر آئی۔

لیکن جب پورنا تانگے پر بیٹھی اور دیکھا کے گھوڑے کی باگ کسی کوچوان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ کملا پرشاد کے ہاتھ میں ہے تو اس کا دل ایک نامعلوم اندیشہ سے دہل گیا۔ ایک بار جی میں آیا کہ تانہ سے اتر پڑے مگر اس کے لیے کوئی بہانہ سوجھا۔ وہ اسی دبدھا میں پڑی تھی کہ کملا پرشاد نے گھوڑے کو چابل لگائی اور تانگہ چل پڑا۔

کچھ دور تک تو تانگہ جانے ہوئے راستہ پر چلا۔ وہی مندر تھے' وہی دکانیں تھیں۔ پورنا کا چک رفع ہونے لگا لیکن ایک پوڑ پر تانگے کو گھوتا دیکھ کر پورنا کو ایسا معلوم ہوا کے سیدھا راستہ چھوٹا جا رہا ہے۔ اس نے کملا سے پوچھا۔ ''ادھر سے کہاں چل رہے ہو؟''

کملا نے استقلال سے کہا۔ ''ادھر پھیر تھا' اس راستے سے جلد پہنچیں گے۔''

پورنا خاموش ہو گئی۔ کئی منٹ تک ایک گلی میں تانگہ چلنے کے بعد تانگہ چوڑی سڑک پر پہنچا۔ ایک لمحہ کے بعد اس ریلوے لائن پار کی۔ اب آبادی بہت کم ہو گئی تھی۔ صرف دور دور پر انگریزوں کے بنگلے بنے ہوئے تھے۔

پورنا نے گھبرا کر پوچھا۔ ''تم مجھے کہاں لیے جاتے ہو؟''

کملا: پورنا! اپنے باغیچہ تک چل رہا ہوں' کچھ دیر وہاں سیر کر کے پریما کے مکان چلیں

گے۔

پورنا: تم نے مجھ سے باغیچہ تو ذکر بھی نہ کیا تھا ورنہ میں کبھی نہ آتی۔

کملا: ارے تو دس منٹ کے لیے یہیں رک جاؤ گی تو ایسا کیا غضب ہو جائے گا؟

تانگہ لوٹا دو ورنہ میں کود پڑوں گی۔

کملا: کود پڑو گی تو ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں میرا کیا بگڑے گا؟

پورنا نے خوزدہ نگاہوں سے کملا کو دیکھا۔ ''وہ اسے اس سنسان مقام میں کیوں لے آیا ہے؟ کیا اس نے دل میں کچھ اور ٹھانی ہے؟ یہ اتنا کمینہ' اتنا بدمعاش نہیں ہو سکتا اور بنگلے پر دس پانچ منٹ ٹھہر جانے ہی میں کیا بگڑ جائے گا' آخر وہاں بھی نوکر چاکر ہوں گے۔''

ذرا دیر میں باغیچہ میں آپہنچا۔ کملا نے تانگے سے اتر کر پھاٹک کھولا۔ اسے دیکھتے ہی دو مالی دوڑے ہوئے آئے ایک نے گھوڑے کی راس پکڑی۔ دوسرے نے کملا کا ہینڈ بیگ اٹھا لیا۔ کملا نے پورنا کو آہستہ سے تانگہ پر سے اتارا اور اس کو انسر کے سجے ہوئے بنگلے میں لے جا کر کہا۔ ''یہ جگہ تو ایسی بری نہیں ہے کہ یہاں گھنٹے دو گھنٹے ٹھہرا نہ جا سکے۔''

پورنا نے چالاکی سے اپنی حفاظت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بولی ''پریما میری راہ دیکھ رہی ہوگی' اس لیے میں جلدی کر رہی تھی۔''

کملا: اجی باتیں نہ بناؤ۔ میں سمجھتا ہوں' تم مجھے ایسا بدکار سمجھتی ہو' اس کا مجھے گمان نہ تھا۔ وہ دیوی جس کے ایک اشارے پر میں اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں' مجھے اتنا ذلیل اور بدکار سمجھتی ہے' یہ میرے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے۔

پورنا نے نادم ہو کر کہا۔ ''تم یہ کیسے سمجھ گئے کہ میں تمہیں ذلیل وخوار سمجھتی ہوں۔''

کملا: آخر گاڑی سے کود پڑنے پر کیوں آمادہ تھیں؟ کیوں بار بار تانگہ لوٹا دینے کی بات کہہ رہی تھیں؟ چادر اتار ڈالو' ذرا آرام سے بیٹھو' یہ بھی اپنا ہی گھر ہے' کوئی سرائے نہیں۔ ہاں اب بتاؤ کہ تم مجھ سے کیوں اتنا ڈرتی ہو؟ کیا میں قاتل ہوں' ڈاکو ہوں' عیاش ہوں' بدمعاش ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ کون سا برتاؤ کیا ہے جس سے تم نے میرے

بارے میں ایسی رائے قائم کر لی؟ میں نے تمہاری مرضی کے خلاف اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا' پھر بھی تم مجھے اتنا کمینہ سمجھتی ہو! تمہاری اس بدگمانی کا صرف ایک ہی سبب ہو سکتا ہے 'سمترا نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ آج میں نے دیکھا کہ تمہارے پاس بیٹھی جھوٹ سچی اڑا رہی تھی۔ تم اس کی باتوں میں آ گئیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس نے میرے بارے میں خوب زہر اگلا ہوگا۔ مجھے دغاباز' کمینہ' بدچلن سب کچھ کہا ہوگا۔ یہ سب صرف اس لیے کہ تمہارا دل مجھ سے برگشتہ ہو جائے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنی مٹھی میں رکھ سکے تو میں اس کا دیوتا' سوامی' ایشور سب کچھ ہوں۔ اس کی مٹھی میں نہ ہوں تو بدکار روزنا کار ہوں۔ اس کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ میں کسی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی لوں۔ نہیں' وہ مجھے اپنا کتا بنا کر رکھنا چاہتی ہے۔ روزمرہ اس کے پیچھے دم ہلا ہلا کر دوڑتا پھروں۔ اس کی آواز سنتے ہی جا کر اس کے پیر چاٹنے لگوں' تب وہ مجھے اپنی میز پر بٹھائے گی' گود میں لے کر پیار کرے گی' چومے گی' تھپکی دے گی' سہلائے گی لیکن کہیں اس کے اشارہ پر دوڑا ہوا نہ گیا تو پھر ڈنڈا' ہنٹر' ٹھوکر لیے مجھے تیار رہنا چاہئے۔ اگر میں کتا بن کر رہ سکتا تو آج مجھ سا خوش قسمت آمی دنیا میں کوئی نہ ہوتا مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ مجھ میں وہ اوصاف نہیں ہیں۔ میں مرد ہوں اور مرد ہی رہنا چاہتا ہوں۔

پورنا کے دل سے سمترا کا جادو اترنے لگا۔ تلون کزوروں کا خاصہ ہے۔ ان پر نہ باتوں کا اثر ہوتے دیر لگتی ہے اور نہ اس کے مٹتے۔

پورنا بولی۔ ''وہ ساری خطا تمہاری ہی بتلاتی ہیں۔''

کملا: ہاں ہاں' وہ تو بتلائیں گی ہی اور کیا فرماتی تھیں؟

پورنا: سینکڑوں باتیں' کہاں تک کہوں؟ یاد بھی تو نہیں۔

کملا: جبھی تم میرے ساتھ آتے گھبراتی تھیں۔ تمہیں یہ باغ پسند ہے؟

پورنا: جگہ تو بری نہیں۔

کملا: جی چاہتا ہے کہ ایک مہینہ تمہیں یہیں رکھوں۔

پورنا: سمتر ابھی یہاں رہنے پر راضی ہو تب نا۔

کملا: اسے تو میں بھول کر بھی نہ لاؤں۔

پورنا: تو میں تنہا یہاں کیسے رہوں گی؟

کملا: تمہارے یہاں رہنے کی کسی کو خبر ہی نہ ہو گی۔ تمہارے برندابن چلے جانے کی بات پھیلا دی جائے گی مگر ہو گی تم اسی باغیچہ میں۔ میں صرف یکبار مکان چلا جایا کروں گا۔ یہاں کے آدمیوں کو تاکید کر دی جائے گی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اس مسرت کے خیال ہی سے میرا دل ناچ اٹھتا ہے۔ وہی زندگی میری دناوی مسرت کی بہشت ہو گی۔ کوئی بات ایشور کی مرضی ہے' تم مجھ پر مہربان ہو تو یہ بھی ایشور کی مرضی ہے۔ کیا ہمارا تمہارا میل ایشور کی مرضی کے بغیر ہو سکتا ہے' کبھی نہیں۔ یہ کھیل' وہ کیوں کھیل رہا ہے' اسے ہم اور تم نہیں سمجھ سکتے پورنا! بڑے بڑے رشی' منی بھی نہیں سمجھ سکتے مگر ہو رہا ہے۔ سب اسی کی مرضی سے' دھرم اور ادھرم یہ سب ڈھکوسلا ہے اگر ابھی تمہارے دل میں کوئی دھرم کا خیال ہو تو اب اسے نکال ڈالو۔ آج سے تم میری دل و جان کی مالکہ ہو اور میں تمہارا غلام۔

یہ کہتے ہوئے کملا نے پورنا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی گردن میں ڈال لیا اور دونوں ہم آغوش ہو گئے۔ پورنا ذرا بھی نہ جھجی' اس نے خود کو علیحدہ کرنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی مگر اس کے چہرہ پر خوشی کی کوئی علامت نہ تھی۔ نہ لبوں پر تبسم تھا۔ نہ رخساروں پر گلاب کا رنگ' نہ آنکھوں میں محبت کی سرخی۔ اس کا کنول کا سا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ نیچے جھکی ہوئی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز۔ سارا بدن سست سا معلوم ہوتا تھا۔

کملا نے پوچھا۔ ''اداس کیوں ہو پیاری؟ یہ تو خوشی کا وقت ہے۔''

پورنا نے دکھ بھری آواز میں کہا۔ ''اداس تو نہیں ہوں۔''

پورنا کیوں اداس تھی' وہ اس بات کو کملا سے نہ کہہ سکی۔ اسے اس وقت بسنت کمار کی یاد نہ تھی' دھرم کا خیال نہ تھا بلکہ کملا کی ہم آغوشی پر مست ہوتے ہوئے اس کو اس وقت یہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ اس محبت کا انجام کیا ویسا ہی خوفناک ہو گا؟ قسمت کا بے دردانہ کھیل پھر

اس کے مسرت بھرے خواب کو دور تو نہ کر دے گا؟ وہ منظر اس کی آنکھوں میں پھر گیا جب اول مرتبہ اس کے شوہر نے اسے گلے لگایا تھا' اس وقت اس کا دل کتنا بے خوف' کتنا امنگوں سے معمور تھا مگر اس وقت امنگوں کے بجائے اندیشے تھے' آفتیں تھیں۔

وہ اسی نیم ہوشی کی حالت میں تھی کہ کملا نے آہستہ سے اسے کوچ پر لٹا دیا اور دروازہ بند کرنے جا ہی رہا تھا کہ پورنا نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اور چونک پڑی۔ کملا کی دونوں آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ یہ باطنی مسرت کی تابوں اور خوشگوار روشنی نہ تھی۔ یہ کسی درندے کی خونی تشنگی کا عکس تھی۔ ان میں عشق کی نور افزا خواہش نہیں بلکہ شکاری کا خونخوار قصد تھا۔ ان میں ساون کی کالی گھٹاؤں کا خوش کن سماں نہیں بلکہ گرما کے بادلوں کا خوفناک ظہور تھا۔ ان میں اشرا اور تو کے صاف آب رواں کا ملائم نغمہ نہیں بلکہ برکھا رت کی قیامت خیز طغیانی کا خوفناک شور تھا' پورنا سہم گئی۔ وہ جھپٹ کر کوچ سے اٹھی۔ اس نے کملا کے ہاتھ کو جھٹکے کے ساتھ کھینچ لیا اور دروازہ کھول کر برآمدے میں نکل گئی۔

کملا نے شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ ''کیوں' کیوں پورنا' کہاں جاتی ہو؟''

پورنا نے بے خوف ہو کر کہا۔ ''میں گھر جاؤں گی' تانگہ کہاں ہے؟''

کملا: گھر جانے کی ابھی جلدی کیا ہے؟ تم ڈر کیوں گئیں؟

پورنا: تانگہ لاؤ' میں جاؤں گی۔

کملا: اتنی جلدی تو تم نہ جاسکو گی پورنا! آخر یکا یک یہ تمہیں ہو کیا گیا؟

پورنا: کچھ ہوا نہیں' میں یہاں ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہرنا چاہتی۔

کملا: اور اگر میں جانے نہ دوں؟

پورنا: تم مجھے روک نہیں سکتے۔

کملا: مان لو کہ میں روک ہی لوں؟

پورنا: تو میں شور مچاؤں گی۔

کملا نے ہنس کر کہا۔ ''تمہارا شور سننے والا ہے ہی کون؟ تم اب میرے قابو میں ہو' اب

یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتیں۔ دونوں مالی میرے نوکر ہیں، وہ کبھی نہ آویں گے، تیسرا آدمی یہاں میل بھر تک نہیں ہے۔''

پورنا نے کملا کی طرف شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ ''کملا بابو! میں دست بستہ کہتی ہوں کہ مجھے یہاں سے جانے دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ سوچو کہ ابھی ایک منٹ پہلے تم مجھ سے کیسی باتیں کر رہے تھے۔ کیا تم اتنے بے حیا ہو کہ مجھ پر جبر کرنے کے لیے بھی تیار ہو؟ لیکن تم دھوکے میں ہو۔ میں اپنا دھرم چھوڑنے سے پہلے یا تو اپنی جان دے دوں گی یا تمہاری جان لے لوں گی۔''

کملا نے تمسخرانہ انداز سے کہا۔ ''تب تو تم واقعی بہادر عورت ہو مگر افسوس یہی ہے کہ یہ اسٹیج نہیں، یہاں تمہاری بہادری پر تالیاں بجانے والے کوئی نہیں ہے۔''

یہ کہتے ہوئے کملا نے ایک قدم آگے رکھا اور چاہا کہ پورنا کا ہاتھ پکڑے۔ پورنا پیچھے ہٹ گئی۔ کملا اور آگے بڑھا۔ دفعتاً پورنا نے دونوں ہاتھوں سے ایک کرسی اٹھالی اور اسے کملا کے چہرہ پر جھونک دیا۔ کرسی کا ایک پایہ پورے زور کے ساتھ کملا کے منہ پر پڑا جس سے ناک میں گہری چوٹ آئی اور ایک دانت بھی ٹوٹ گیا۔ کملا اس جھونکے سے نہ سنبھل سکا۔ چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا۔ ناک سے خون جاری ہو گیا۔ اسے غش آ گیا۔ اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر پورنا لپک کر باغیچہ کے باہر نکل گئی۔ سڑک پر اب سناٹا تھا۔ پورنا کو اب اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ کہیں اس کو کوئی پکڑ نہ لے۔ قیدی بن کر ہتھکڑیاں پہنے ہوئے ہزاروں آدمیوں کے سامنے جانا اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وقت بالکل نہ تھا۔ چھپنے کی کوئی جگہ نہیں۔ یکا یک اس کو ایک چھوٹی سی پلیا دکھائی دی۔ وہ لپک کر سڑک کے نیچے اتری اور اسی پلیا میں گھس گئی۔

اس وقت اس کی حالت نہایت رقت انگیز تھی۔ سینہ دھڑک رہا تھا۔ جان ناخنوں میں سمائی ہوئی تھی۔ ذرا بھی کھٹکا ہوتا تو وہ چونک پڑتی۔ سڑک پر چلنے والوں کا سایہ نالے میں پڑتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا چھا جاتا، کہیں اسے پکڑنے کوئی نہ آتا ہو۔ اگر

کوئی آ گیا تو وہ کیا کرے گی؟ اس نے ایک اینٹ اپنے پاس رکھ لی تھی۔ اسی اینٹ کو وہ اپنے سر پر مارے گی۔ پولیس والوں کے پنجہ میں پھنسنے کی بہ نسبت سر پھوڑ کر مر جانا کہیں بہتر تھا۔ سڑک پر آنے جانے والوں کی ہلچل سنائی پڑ رہی تھی۔ ان کی باتیں بھی کانوں میں پڑ جاتی تھیں۔ ایکمالی بدری پرشاد کو خبر دینے کے لیے دوڑا گیا تھا۔ ایک گھنٹہ کے بعد سڑک پر سے ایک بگھی نکلی۔ معلوم ہوا کے بدری پرشاد آ گئے' آپس میں کیا باتیں ہو رہی ہوں گی؟ شاید تھانہ میں اس کی رپٹ کی گئی ہو۔ پھر باغیچہ سے ایک تانگہ نکلتا ہوا سنائی دیا۔ شاید یہ ڈاکٹر ہوگا۔ چوٹ تو ایسی نہیں آئی مگر بڑے آدمیوں کے لیے ذرا سی بات بھی بہت ہو جاتی۔

اس وقت پورنا کو اپنی اس حرکت پر پشیمانی ہوئی اس نے اگر ذرا صبر سے کام لیا ہوتا تو کملاپرشاد کبھی ایسی شرارت نہ کرتا۔ چالاکی سے کام نکل سکتا تھا مگر شدنی کون ٹال سکتا تھا؟ لیکن یہ بھی اچھا ہی ہوا' بچہ کی عادت چھوٹ جائے گی۔ اب بھول کر بھی ایسی شرارت نہ کریں گے۔ لالہ نے سمجھا ہوگا کہ عورت ذات کر ہی کیا سکتی ہی' دھمکی میں آ جائے گی۔ یہ نہیں جانتی تھے کہ سبھی عورتیں ایک سی نہیں وہ ہوتیں۔

سمترا تو سن کر خوش ہوگی' بچہ کو خوب طعنے دے گی۔ ایسا آرے ہاتھوں لے گی کہ یہ بھی یاد کریں گے لالہ بدری پرشاد بھی پوری خبر لیں گے۔ ہاں اماں جی کو برا لگے گا۔ ان کی نگاہوں میں تو ان کا بیٹا دیوتا ہے۔ بالکل دودھ کا دھلا ہوا ہے۔

پلیا کے نیچے جانوروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ پڑوس کے کتے اپنے حریفوں کی چھیڑ چھاڑ سے بچنے کے لیے ادھر ادھر سے ہڈیاں لا لا کر تنہائی میں لذت اندوز ہوتے تھے' ہڈیوں سے بدبو آ رہی تھی۔ ادھر ادھر پھٹے پرانے چیتھڑے' آم کی گھٹلیاں' کاغذ کے ردی کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اب تک پورنا نے اس نفرت انگیز منظر کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ اب دیکھ کر اس کو نفرت ہونے لگی تھی۔ وہاں لمحہ بھر بھی رہنا شاق گزرنے لگا مگر جائے کہاں۔ ناک دبائے اکڑوں بیٹھی ہوئی چلنے والوں کی آمد و رفت پر کان لگائے

ہوئے تھی۔

دوپہر ہوتے ہوتے باغیچہ کا پھاٹک بند ہو گیا۔ بگھی‘ موٹر‘ تانگے کسی کی آواز بھی نہ سنائی دی‘ اس سکوت میں پورنا اپنے مستقبل کے بحر تفکر میں غوطہ زن ہو رہی تھی۔

اب اس کے لیے کہاں ٹھکانا تھا؟ ایک طرف جیل کی سخت تکالیف تھیں‘ دوسری طرف روٹیوں کے لالے‘ اشکوں کی روانی اور درد جانگزا! ایسے آدمی کیلیے موت کے سوا اور کیا ٹھکانا ہے؟

شام ہو گئی اور تاریکی چھا گئی تو پورنا وہاں سے باہر نکلی اور سڑک پر کھڑے ہو کر سوچنے لگی‘ کہاں جاؤں؟ زندگی میں اب ذلت‘ شرم رنج و تکلیف کے سوا اور کیا ہے؟ اپنے شوہر کے بعد ہی اس نے کیوں نہ اپنی جان بھی دے دی۔ کیوں نہ اسی کی نعش کے ساتھ ستی ہو گئی؟ اس جینے سے تو جل کر مرنا کہیں اچھا تھا۔ کیوں اس وقت اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا؟ وہ کیا جانتی تھی کہ شرف لوگ بھی ایسے بدمعاش ہوتے ہیں۔ اپنے دوست بھی حلق پر چھری پھیرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

دفعتاً ایک بوڑھے آدمی کو دیکھ کر وہ ایک درخت کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ جب بوڑھا قریب آ گیا اور پورنا کو یقین ہو گیا کہ اس کے سامنے نکلنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ’’بابا گنگا جی کا راستہ کدھر ہے؟‘‘

بوڑھے نے حیرت سے کہا۔ ’’گنگا ہی ہیں‘ یہاں اور کوئی تالاب یا ندی نہ ہو گی؟ وہ وہیں کھڑی رہی‘ کچھ تصفیہ نہ کر سکی۔

بوڑھے نے پوچھا۔ ’’تمہارا گھر کہاں ہے بیٹی؟ کہاں جاؤ گی؟‘‘

پورنا سہم گئی۔ اب تک اس نے کوئی قصہ نہ گھڑا تھا۔ کیا بتلاتی؟

بوڑھے نے پھر پوچھا۔ ’’گنگا جی ہی جانا ہے یا اور کہیں؟‘‘

پورنا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ’’وہیں ایک محلے میں جاؤں گی۔‘‘

بوڑھے نے ٹھٹک کر پورنا کو سر سے پیر تک دیکھا اور کہا۔ ’’وہاں کس محلّہ میں جاؤ گی؟

سینکڑوں محلے ہیں۔''

پورنا نے کوئی جواب نہ دیا۔اس کے پاس جواب ہی کیا تھا؟

بوڑھے نے ذرا جھنجھلا کر پوچھا۔''تو اپنا پتہ کیوں نہیں بتاتی ؟ کیا گھر سے بھاگ آئی ہے؟''

پورنا تھر تھر کانپ رہی تھی' وہ ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکی!

بوڑھے کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت گھر سے روٹھ کر آئی ہے۔اس کو رحم آ گیا۔بولا''بیٹی گھر سے روٹھ کر بھاگنا اچھی بات نہیں۔زمانہ خراب ہے۔کہیں بد معاشوں کے پنجے میں پھنس جاؤ تو پھر عمر بھر کے لیے آبرو میں بٹہ لگ جائے۔گھر لوٹ جاؤ بیٹیا۔بڑے بوڑھے دو باتیں کہیں تو غم نہ کھانا چاہئے۔وہ تمہارے ہی بھلے کے لیے کہتے ہیں۔چلو میں تم گھر پہنچا دوں۔''

پورنا کے لیے اب جواب دینا لازم ہو گیا۔بولی''بابا مجھے گھر والوں نے نکال دیا ہے۔''

بوڑھا: کیوں نکال دیا؟ کسی سے لڑائی ہوئی تھی؟

پورنا: نہیں بابا' میں بدھوا ہوں۔گھر والے مجھے رکھنا نہیں چاہتے۔

بوڑھا: ساس' سسر ہیں؟

پورنا: نہیں' بابا کوئی نہیں ہے۔ایک رشتہ دار کے یہاں پڑی تھی۔سو آج اس نے بھی نکال دیا۔

بوڑھا ایک منٹ کچھ سوچ کر بولا۔''تو تم گنگا کی طرف کیا کرنے جا رہی تھیں' وہاں کوئی تمہارا اپنا ہے؟''

پورنا: نہیں مہاراج! سوچتی تھی کے رات بھر وہیں گھاٹ پر پڑی رہوں گی اور سویرے کسی جگہ کھانا پکانے کی نوکری کر لوں گی۔

بوڑھا سمجھ گیا۔بے کس عورت رات کے وقت گنگا کا راستہ اور کس لیے پوچھ سکتی ہے؟

اب وہاں بھی اس کا کوئی نہیں ہے تو پھر گنگا کے کنارے پر جانے اور مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے؟ بولا ''بدھوا آشرم میں کیوں نہیں جاتیں؟''

پورنا: بدھوا آشرم کیا ہے بابا؟

بوڑھا: وہاں اناتھ عورتوں کو پالا جاتا ہے۔ کیسی ہی عورت ہو، وہ بڑی خوشی سے اس کو اپنے یہاں رکھ لیتے ہیں امرت رائے بابو کو دنیا چاہے جتنا بدنام کرے مگر کام انہوں نے بڑے دھرم کا کیا ہے۔ اس وقت پچاس عورتوں سے کم نہ ہوں گی، سب ہنس خوشی سے رہتی ہیں۔ کوئی مرد اندر نہیں جانے پاتا۔ امرت بابو آپ بھی اندر نہیں جاتے ہمت کا دھنی آدمی ہے، سچا تیاگی اسی کو دیکھا۔

پورنا کا دل بیٹھ گیا۔ جس مصیبت سے بچنے کے لیے اس نے مر جانے کی ٹھان لی تھی، وہ پھر سامنے آتی ہوئی نظر آئی۔ امرت رائے اسے دیکھتے ہی پہچان جائیں گے۔ ان کے سامنے وہ کھڑی ہی کیسے ہو سکے گی۔ شاید اس کے پیر کانپنے لگیں گے اور وہ گر پڑے گی۔ وہ اسے قاتلہ سمجھیں گے جس سے وہ ایک دن سالی کے ناطے مذاق کرتے تھے وہ آج ان کے سامنے آوارہ بن کر جائے گی۔

بوڑھے نے پوچھا۔ ''دیر کیوں کرتی ہو بیٹی؟ چلو میں تمہیں وہاں پہنچا دوں۔ یقین کرو، ہاں تم بڑے آرام سے رہو گی۔''

پورنا نے کہا۔ ''میں وہاں نہ جاؤں گی بابا۔''

بوڑھا: وہاں جانے میں کیا برائی ہے؟

پورنا: یونہی۔ میرا جی نہیں چاہتا۔

بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تو یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تمہارے سر پر دوسرا بھوت سوار ہے۔''

یہ کہہ کر بوڑھا آگے بڑھا۔ ''جس نے خود بد چلنی کے راستے پر چلنے کا ارادہ کر لیا ہو، اسے کون روک سکتا ہے۔''

پورنا بوڑھے کو جاتا دیکھ کر اس کے دل کی بات سمجھ گئی۔ کیا اب بھی وہ بدھوا آشرم میں جانے سے انکار کر سکتی تھی؟ بولی۔

''بابا' تم بھی اب مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟''

بوڑھا: کہتا تو ہوں کہ چلو بدھوا آشرم میں پہنچا دوں۔

پورنا: وہاں مجھے بابو امرت رائے کے سامنے تو نہ جانا پڑے گا؟

بوڑھا: یہ سب میں نہیں جانتا مگر ان کے سامنے جانے میں حرج ہی کیا ہے؟ وہ برے آدمی نہیں ہیں۔

پورنا: اچھے برے کی بات نہیں ہے بابا۔ مجھے ان کے سامنے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

بوڑھا: اچھی بات ہے' مت جانا۔ نام اور پتہ تو لکھنا ہی پڑے گا۔

پورنا: ''نہیں بابا' میں نام اور پتہ بھی نہ لکھاؤں گی۔ اسی سے تو میں کہتی تھی کہ اس آشرم میں نہ جاؤں گی۔''

بوڑھے نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''اچھا چلو میں امرت بابو کو سمجھا دوں گا۔ جو بات تم نہ بتانا چاہو گی' اس کے لیے وہ تمہیں مجبور نہ کریں گے۔ میں انہیں اکیلے میں سمجھا دوں گا۔''

ذرا فاصلہ پر ایک تانگہ مل گیا۔ بوڑھے نے اسے طے کر لیا۔ دونوں اس پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

پورنا اس وقت خود کو گنگا جی کی لہروں میں ڈبونے کے لیے جاتی تو شاید اتنی مغموم اور کوفزدہ نہ ہوتی۔

## (13)

بابو دان ناتھ کے مزاج میں میانہ روی تھی۔ وہ جس سے دوستی کرتے تھے اس کے غلام بن جاتے تھے اسی طرح جس کی مخالفت کرتے تھے اسے خاک میں ملا دینا چاہتے تھے۔ کئی مہینے تک وہ کملا پرشاد کے دوست بنے رہے۔ بس جو کچھ تھے کملا پرشاد تھے۔ انہی کے

ساتھ گھومنا' انہی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ امرت رائے کی صورت سے بھی نفرت تھی۔ انہی کے کاموں کی تنقید میں دن گزرتا تھا۔ اس کے خلاف لیکچر دیئے جاتے تھے اور جس روز پریما نے ٹاؤن ہال میں جا کر ان کی سازشوں کو خاک میں ملا دیا تھا' اس روز سے تو وہ امرت رائے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ پریما سے پہلے ہی دل صاف نہ تھا' اب تو ان کے غصہ کی حد نہ رہی۔ پریما سے کچھ نہ کہا' اس بات کا ذکر تک نہ کیا۔ پریما جواب دینے کو تیار بیٹھی تھی مگر اس سے بات چیت کرنا بھی ترک کر دیا۔ بھائی پر تو جان دیتے تھے اور بہن کی صورت سے بیزار۔ انہوں نے جس مسرت آمیز زندگی کا تصور کیا تھا' وہ لاعلاج مرض کی طرح انہیں گھلائے بہن کی صورت سے بیزار۔ انہوں نے جس مسرت آمیز زندگی کی تصور کیا تھا' وہ لاعلاج مرض کی طرح انہیں گھلائے ڈالتی تھی۔ ان کی حالت اس شخص کی سی تھی جو ایک گھوڑے کے رنگ و روپ اور چال کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جائے مگر ہاتھ آ جانے پر اس پر سوار نہ ہو سکے۔ اس کی کنوتیاں' اس کے تیور' اس کا ہنہنانا' اس کا پاؤں سے زمین کھودنا' یہ ساری باتیں انہوں نے بیشتر نہ دیکھی تھیں۔ اب اس کے پٹھے پر ہاتھ رکھتے خوف معلوم ہوتا تھا۔ جس شکل کے تصور پر دان ناتھ ایک روز دل میں خوش ہو جاتے تھے' اب اسے سامنے دیکھ کر ان کا دل ذرا بھی خوش نہ ہوتا تھا۔ پریما دل و جان سے ان کی خدمت کرتی تھی۔ ان کا منہ چوما کرتی تھی' انہیں خوش کرنے کی کوشش کیا کرتی ہوتا تھا۔ پریما دل و جان سے ان کی خدمت کرتی تھی۔ ان کا منہ چوما کرتی تھی' انہیں خوش کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی مگر دان ناتھ کو اس کی حرکات و سکنات میں تصنع کی بو آتی تھی۔ وہ اپنی غلطی پر دل ہی دل میں پچھتاتے تھے اور ان کے دل کی یہ آگ نفرت کی شکل اختیار کر کے امرت رائے پر جھوٹا الزام لگانے ۱۳ور ان کی مخالفت کرنے میں ٹھنڈی ہوتی تھی لیکن جلد ہی دل کی جلن کو اس طرح ٹھنڈک پہنچانے کا ذریعہ بھی ان کے لیے ختم ہو گیا۔

شام کا وقت تھا۔ دان ناتھ بیٹھے ہوئے کملا پرشاد کا انتظار کر رہے تھے۔ آج وہ اب تک کیوں نہیں آئے؟ آنے کا وعدہ کر گئے تھے' پھر آئے کیوں نہیں؟ یہ سوچ کر انہوں نے

کپڑے پہنے اور کملا پرشاد کے مکان پر جانے کی تیاری کی۔ اسی وقت ایک دوست نے آ کر رات کے واقعہ کی خبر سنائی۔ دان ناتھ کو یقین نہ ہوا۔ بولے۔ ''آپ نے یہ غپ سنی کہاں؟''

''سارے شہر میں چرچا ہو رہا ہے' آپ کہتے ہیں کہ غپ سنی کہاں۔''

''کسی نے یونہی افواہ اڑا دی ہوگی۔ کم از کم میں کملا پرشاد کو ایسا آدمی نہیں سمجھتا۔''

''اس کا ثبوت یہی ہے کہ کملا پرشاد کے چہرہ اور سینہ پر سخت چوٹ آئے اور ایک دانت بھی ٹوٹ جائے' تو کیا وہ یقیناً زنا کار ہے؟''

دان ناتھ کو اس وقت تک یقین نہ آیا جب تک کہ انہوں نے کملا پرشاد کے مکان پر جا کر تحقیقات نہ کر لی۔ کملا پرشاد منہ پر پٹی باندھے' آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا گولی لگ گئی ہے۔ دان ناتھ کی آواز سنی تو اس نے آنکھیں کھولیں اور ناک سکوڑ کر اہتے ہوئے کہا۔ ''آیئے بھائی صاحب بیٹھے! کیا آپ کو خبر ہوئی یا آنے کی فرصت ہی نہ ملی؟ برے وقت میں کون کس کا ہوتا ہے؟''

دان ناتھ نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات نہیں ہے بھائی صاحب! مجھے تو ابھی ابھی معلوم ہوا۔ سنتے ہی دوڑا آ رہا ہوں۔ یہ بات کیا ہے؟''

کملا نے کراہ کر کہا۔ ''قسمت کی بات ہے بھائی صاحب اور کیا کہوں؟ اس عورت سے ایسی امید نہ تھی۔ جب دانہ دانہ کو محتاج تھی تب اس کو اپنے مکان پر لایا۔ اس کو برابر اپنی بہن سمجھتا رہا۔ جو اور لوگ کھاتے تھے وہی وہ بھی کھاتی تھی' جو اور لوگ پہنتے تھے وہی وہ بھی پہنتی تھی مگر وہ بھی دشمنوں سے ملی ہوئی تھی۔ کئی روز سے کہہ رہی تھی کہ ذرا مجھے اپنے باغیچہ کی سیر کرا دو۔ آج جو اسے لے کر وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو مسٹنڈے بنگلے کے ساتھ ہی مل گئی اور مجھ پر ڈنڈے برسانے لگی۔ ایسی مار پڑی ہے بھائی صاحب کے بس کچھ نہ پوچھیے۔ وہاں نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد' کسے پکارتا؟ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تو تینوں وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔''

دان ناتھ نے ایک لمحہ تک غور کرنے کے بعد کہا ''بابو امرت رائے کا مزاج تو ایسا نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شہدوں کی شرارت ہو۔''

کملا بھائی صاحب! آدمی کے دل میں کیا ہے اسے برہما جی بھی نہیں جان سکتے' ہماری آپ ہستی ہی کیا ہے؟ سادھوؤں کے بھیس میں اکثر بدمعاش.........

دفعتاً لالہ بدری شاد نے کمرہ میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔ ''جیسے تم خود ہو' شرم نہیں آتی بولنے کو مرتے ہو۔ تمہیں تو منہ میں کالکھ لگا کر کہیں ڈوب مرنا چاہیئے تھا مگر تم جیسے پاپیوں میں ایسی خودداری کہاں؟ تم نے سچ کہا کہ اکثر سادھوؤں کے بھیس میں بدمعاش چھپے ہوتے ہیں۔ جن کی گود میں کھیل کر تم پلے انہیں بھی تم نے الو بنا دیا۔ مجھے تمہاری نیک چلنی کا فخر تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ تم میں اور خواہ کتنی ہی برائیاں ہوں مگر تمہارا چال چلن صاف ہے مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ تم جیسا کمینہ اور ذلیل شخص دنیا کے پردے پر نہ ہوگا۔ جس بے یار و مددگا بیوہ کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی' جسے میں اپنی بیٹی سمجھتا تھا اور جسے تم بہن کہتے' اسی کے متعلق تمہاری یہ بد نیتی۔ تمہیں چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیے۔ اس نے تمہیں مار ہی کیوں نہ ڈالا' مجھے یہی افسوس ہے۔ تم جیسے بزدل کے لیے یہی سزا مناسب تھی۔''

دان ناتھ نے دبی زبان سے پوچھا۔ ''بھائی صاحب کو خیال ہے کہ امرت رائے۔''

بدری پرشاد نے دانت پیس کر کہا۔ ''بالکل جھوٹ' سراسر جھوٹ' سولھوں آنے جھوٹ۔ ہمارا امرت رائے سے معاشرت مسئلوں پر اختلاف ہے لیکن ان کا چال چلن جتنا عمدہ ہے اتنا دنیا میں کم لوگوں کا ہوگا۔ تم تو ان کے بچپن کے دوست ہو' تمہی بتلاؤ کہ میں جھوٹ کہتا ہوں یا سچ؟''

دان ناتھ نے دیکھا کہ اب صاف گوئی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے خواہ کملا پرشاد ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ سر نیچا کر کے ایک ناپسندیدہ سچ کہنے' ایک نہایت ضروری فرض کو انجام دینے کے طریقے پر کہا ''آپ بالکل سچ کہتے ہیں۔ ان میں یہی تو ایک طاقت ہے جو ان کے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی علانیہ ان کے مقابلہ میں نہیں آنے

دیتی۔"

بدری پرشاد نے کملا کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مارو اس کے منہ پر تھپڑ اب بھی شرم آئی کہ نہیں؟ ابھی ہوا ہی کیا ہے؟ ابھی تو صرف ایک دانت ٹوٹا ہے اور سر میں ذرا چوٹ آئی ہے مگر اصلی مار تو اب پڑے گیمگر اصلی مار تو اب پڑے گی۔ جب سارے شہر میں لوگ تھو کیں گے اور بچہ بچہ کا گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے۔ پاپی مجھے بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا۔ آباؤ اجداد کی گاڑھی کمائی آن کی آن میں تلف کر دی۔ مجھے تو اب یہ تشویش ہے کہ میں کون سا منہ لے کر باہر نکلوں گا۔ سپوت نے کہیں منہ دکھانے کی جگہ نہ رکھی۔"

یہ کہتے ہوئے لالہ بدری پرشاد باہر چلے گئے۔ دان ناتھ بھی انہی کے ساتھ باہر چلے گئے۔ کملا پرشاد آنکھیں بند کیے چپ چاپ سنتا رہا۔ اسے بھی خاندانی عزت اپنے والد ہی کی طرح عزیز تھی۔ بے حیائی کا جامہ اس نے ابھی تک نہ پہنا تھا۔ محبت کے میدان میں ابھی اس کا پہلا ہی کھیل اور پہلے ہی کھیل میں اس کے پیر میں ایسا تیز کانٹا چبھا کہ شاید وہ پھر وہاں قدم رکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکے مگر دان ناتھ کے مواجہہ میں وہ ایسی ڈانٹ پھٹکار نہ سننا چاہتا تھا۔ لالہ بدری پرشاد نے اس کی صرف لعنت ملامت ہی نہیں کی بلکہ اسے جھوٹا اور دغا باز بنایا۔ اپنی حفاظت کے لیے اس نے جو داستان وضع کی تھی اس کا راز فاش کر دیا۔ کیا دنیا میں کوئی باپ ایسا بے درد ہو سکتا ہے؟ اس روز سے کملا پرشاد نے پھر اپنے والد سے بات نہ کی۔

دان ناتھ یہاں سے چلے تو ان کے دل میں ایسا آ رہا تھا کہ اسی وقت گھر بار چھوڑ کر کہیں نکل جائیں کملا پرشاد اپنے ساتھ انہیں بھی لے ڈوبا تھا۔ عوام کی نگاہوں میں کملا پرشاد اور وہ واحد تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ ان میں سے کوئی ایک کام کرے اور اس کی نیک نامی یا بدنامی دوسرے کو نہ ملے۔ عوام کے سامنے اب اس منہ سے کھڑے ہوں گے؟ کیا یہ ان کی رفاہ عام والی زندگی کا خاتمہ تھا؟ کیا وہ خود کو اس الزام سے مبرا رکھ سکتے تھے؟

مگر کملا اتنا گیا گزرا شخص ہے' اتنا فریبی' اتنا بدکار اتنا کمینہ! پھر اور کس پر اعتبار کیا

جائے؟ ایسا مذہبی شخص جب اتنا پست ہو سکتا ہے تو پھر دوسروں سے کیا میاد؟ جو شخص مروت و سخاوت کا مجسمہ تھا‘ وہ ایسا نفس پرست کیونکر ہو گیا؟ دنیا میں کوئی سچا اور بے ریا شخص نہیں ہے؟

گھر پہنچ کر وہ جونہی اندر داخل ہوئے‘ پریما نے پوچھا۔ ”تم نے بھی بھیا کے بارے میں کوئی بات سنی؟“ ابھی مہری نہ جانے کہاں سے اوٹ پٹانگ باتیں سن آئی ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آتا۔“

دان ناتھ نے آنکھیں بچا کر کہا ”یقین نہ آنے کا سبب؟“

”تم نے بھی کچھ سنا ہے؟“

”ہاں سنا ہے۔ تمہارے مکان ہی سے چلا آ رہا ہوں۔“

”تو سچ مچ بھیا جی پورنا کو باغ میں لے گئے تھے؟“

”بالکل سچ!“

”پورنا نے بھیا کو مار کر گرا دیا۔ یہ بھی سچ ہے؟“

”جی ہاں‘ یہ بھی سچ ہے۔“

”تم سے کس نے کہا؟“

”تمہارے والد صاحب نے۔“

”والد صاحب کی نہ پوچھو وہ تو بھیا پر ادھار ہی کھائے رہتے ہیں۔“

”تو کیا سمجھ لوں کہ انہوں نے کملا پرشاد پر جھوٹا الزام لگایا؟“

”نہیں یہ میں نہیں کہتی مگر بھیا میں ایسی عادت کبھی نہ تھی۔“

”تم کسی کے دل کا حال کیا جانو؟ پہلے میں بھی انہیں دھرم اور سچائی کا پتلا سمجھتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ وہ بد چلن ہی نہیں بلکہ پرلے سرے کے جھوٹے بھی ہیں۔ پورنا نے بہت اچھا کیا‘ مار ڈالتی تو اور بھی اچھا کرتی۔ نہ معلوم اس نے کیوں چھوڑ دیا۔ تمہاری بھائی سمجھ کر اسے رحم آ گیا ہوگا۔“

پریما نے ایک لمحہ سوچ کر مشتبہ لہجہ میں کہا۔ ''مجھے اب بھی یقین نہیں آتا۔ پورنا برابر میرے گھر آتی تھی۔ وہ اس کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی راز ہے۔ بھیا جی کو بہت چوٹ تو نہیں آئی؟''

دان ناتھ نے طنز سے کہا۔ ''جا کر مرہم پٹی ذرا کر آؤ نا!''

پریما نے حقارت سے دیکھ کر کہا۔ ''ایشور جانے تم بڑے بے درد ہو۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر بھی تمہیں رحم نہیں آتا۔''

''ایسے پاپیوں پر رحم کرنا رحم کی مٹی خراب کرنا ہے۔ اگر میں باغیچہ میں اس وقت ہوتا یا کسی طرح میرے کانوں میں پورنا کے چلانے کی آواز پہنچ جاتی تو چاہے پھانسی پاتا مگر کملا پرشاد کو زندہ نہ چھوڑتا اور پھانسی کیوں ہوتی' کیا قانون اندھا ہے؟ ایسی حالت میں سبھی ایسا ہی کرتے۔ بدمعاش' اسے ایک بے کس بیوہ پر دست درازی کرتے شرم نہ آئی اور وہ بھی جو اسی کی پناہ میں تھی۔ میں ایسے آدمی کا خون کر ڈالنا گناہ نہیں سمجھتا۔''

پریما کو یہ سخت کلامی بری معلوم ہوئی۔ شاید یہ بات سچ ثابت ہونے پر اس کے دل میں بھی ایسے ہی خیالات پیدا ہوتے مگر اس وقت اسے معلوم ہوا کے صرف اسے جلانے کے لیے صرف اس کو ذلیل کرنے کے لیے یہ حملہ کیا گیا ہے۔ اگر اس بات کو سچ بھی مان لیا جائے تو بھی ایسی جلی کٹی سنانے سے فائدہ؟ کیا یہ باتیں دل ہی دل میں نہ رکھی جا سکتی تھیں؟

اس کے دل میں زبردست خواہش ہوئی کہ جا کر کملا پرشاد کو دیکھ آئے مگر اس خوف سے کہ تب تو یہ اور بگڑ اٹھیں گے' اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار نہ کیا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ ایک لمحہ کے بعد دان ناتھ نے کہا۔ ''جی چاہتا ہو تو جا کر دیکھ آؤ۔ چوٹ تو ایسی گہری نہیں ہے مگر مکر تو ایسا کیے ہوئے ہیں گویا گولی ہی لگ گئی ہے۔''

پریما نے بے پروائی سے کہا۔ ''تم تو دیکھ آئے' میں جا کر کیا کروں گی؟''

''نہیں بھئی' میں کسی کو روکتا نہیں۔ ایسا نہ ہو پیچھے کہنے لگو کہ تم نے جانے نہ دیا' میں

بالکل نہیں روکتا۔''

''میں نے تو کبھی تم سے کسی بات کی شکایت نہیں کی۔ کیوں ناحق الزام لگاتے ہو؟ میری جانے کی بالکل خواہش نہیں ہے۔''

''ہاں خواہش نہ ہوگی۔ میں نے کہہ دیا نا' منع کرتا تو ضرور خواہش ہوتی۔ میرے کہہ دینے سے چھوت لگ گئی۔''

پریما سمجھ گئی کے اسی چندے والے جلسہ کی طرف اشارہ ہے۔ اب اور کچھ بات چیت کرنے کا موقع نہ تھا۔ دان ناتھ نے اس قصور کو ہنوز معاف نہ کیا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلی گئی۔

دان ناتھ کے دل کا بخار نہ نکلنے پایا تھا۔ وہ مہینوں سے موقع کی تلاش میں تھے کہ ایک مرتبہ پریما سے خوب کھلی باتیں کریں مگر اس کا موقع انہیں نہ ملتا تھا' آج بھی یہ موقع ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ کھسیائے ہوئے باہر جانا چاہتے تھے کہ دفعتاً ان کی والدہ نے آ کر کہا ''آج سسرال کی طرف تو نہیں گئے تھے؟ کچھ گڑبڑ سن رہی ہوں۔''

دان ناتھ والدہ کے سامنے سسرال کی کوئی برائی نہ کرتے تھے۔ عورتوں کے ناخوش کرنے کی اس سے سہل اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔ پھر انہوں نے پریما سے جو سخت کلامی کی تھی اس کا کچھ رنج بھی تھا۔ اب انہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہی باتیں ہمدردانہ لہجہ میں کہی جاسکتی تھیں۔ دل اظہار افسوس کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ بولے ''سب غپ ہے اماں جی!''

''غپ کیسی؟ بازار میں سنتی چلی آتی ہوں۔ گنگا کنارے یہی بات ہو رہی تھی۔ وہ برہمنی بدھوا آشرم میں پہنچ گئی۔''

دان ناتھ نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا ''بدھوا آشرم! وہاں کیسے پہنچی؟''

''اب میں یہ کیا جانوں مگر وہاں پہنچ گئی' اس میں شبہ نہیں۔ کئی آدمی وہاں سے پتہ لگا لائے۔ میں کملا دیکھتے ہی بھانپ گئی تھی کہ یہ شخص نگاہ کا سچا نہیں ہے مگر تم کسی کی سنتے

تھے؟''

''اماں! کسی کے دل کا حال کوئی کیا جانتا ہے؟''

''جن کے آنکھیں ہیں ہو جان ہی جاتے ہیں۔ تم جیسے آدمی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اب شہر میں جدھر جاؤ گے ادھر انگلیاں اٹھیں گی۔ لوگ تمہیں بھی خطاوار قرار دیں گے۔ وہ عورت وہاں جا کر نہ جانے کیا کیا باتیں بتائے گی۔ یہ میں کبھی نہ مانوں گی کہ پہلے سے کچھ سانٹھ گانٹھ نہ تھی۔ اگر پہلے سے کچھ بات چیت نہ تھی تو وہ کملا کے ساتھ تنہا باغیچہ میں گئی کیوں تھی؟ مگر اب وہ سارا الزام کملا پرشاد پر عائد کر کے خود صاف نکل جائے گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں تمہیں بھی نہ گھسیٹے۔ ذرا میری ایک بار اس سے ملاقات ہو جاتی تو میں پوچھتی۔''

دان ناتھ کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ ان کے پیٹ میں کوئی بات ہضم نہ ہو سکتی تھی۔ پریما کمرے کے دروازے پر جا کر بولے۔ ''کچھ سنا؟ پورنا بدھوا آشرم پہنچ گئی۔''

پریما نے ان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ باتیں جو دل کو ملتے رہنے پر اس کے منہ سے نہ نکلنے پاتی تھیں' فرض اور رشک جنہیں اندر ہی دبا دیتے تھے' وہ آنسو بن کر نکل جاتی تھیں۔ چندے والے جلسہ میں جانا کیا اتنا بڑا پاپ تھا کہ معاف ہی نہ کیا جا سکے؟ وہ جہاں جاتے ہیں' جو کرتے ہیں کیا اس سے پوچھ کر کرتے ہیں؟ بلاشک علم وعقل وحسن میں اس سے زیادہ ہیں' اس لیے وہ زیادہ آزاد ہیں۔ انہیں اس پر نگرانی کرنے کا حق ہے۔ وہ اگر اس کو کوئی نامناسب بات کرتے دیکھیں تو روک سکتے ہیں لیکن اس جلسہ میں جانا تو کوئی نامناسب بات نہ تھی۔ کیا کوئی بات اس لیے نامناسب ہو جاتی ہے کہ امرت رائے کا اس میں ہاتھ ہے؟ ان میں اتنی ہمدردی بھی نہیں' یہ سب جانتے ہوئے بھی انجان بنتے ہیں۔

دان ناتھ اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر محبت سے پگھل گئے۔ اپنی سخت کلامی پر نادم

ہوئے۔ محبت کی رفتار روانی آب کی طرح ہے جو ذرا دیر کے لیے رک جائے مگر اپنی چال تبدیل نہیں کرسکتی، یہ بات وہ کیوں بھول گئے؟ ایک اٹل سچائی کی مخالفت کرنے کا کنارہ اب بجز ان کے اور کون کرے گا؟ میٹھی آواز سے بولے۔ ''پورنا بدھوا آشرم میں پہنچ گئی۔''

پریما کچھ فیصلہ نہ کرسکی اس خبر پر خوش ہو یا رنجیدہ۔ دان ناتھ نے یہ بات کس نیت سے اس سے کہی؟ ان کا کیا مطلب تھا؟ وہ کچھ نہ جان سکی۔ دان ناتھ اس کی یہ بات تاڑ گئے، بولے۔ ''اب اس کے بارے میں تشویش نہیں رہی، امرت رائے اس کا بیڑا پار لگا دیں گے؟''

پریما کو یہ جملہ بھی پہیلا ہی سا معلوم ہوا۔ یہ امرت رائے کی تعریف ہے یا ہجو؟ امرت رائے اس کا بیڑا کیسے پار لگا دیں گے؟ عموماً تو اس جملہ کا یہی مطلب ہے کہ اب پورنا کو ایک ٹھکانا مل گیا لیکن کیا یہ طنز نہیں ہوسکتا؟

دان ناتھ نے کچھ شرمندہ ہو کر کہا۔ ''اب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امرت رائے پر میرا شبہ بالکل بیجا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے کملا پرشاد کی ہر بات کو کلام الٰہی سمجھ لیا تھا۔ میں نے امرت رائے کے ساتھ کتنی بڑی بے انصافی کی ہے، اس کا اندازہ اب میں کسی قدر کرسکتا ہوں۔ میں کملا پرشاد کی آنکھوں سے دیکھتا تھا، اس مکار نے مجھے بڑا مغالطہ دیا۔ نہ جانے میری عقل پر کیوں ایسا پردہ پڑ گیا کہ اپنے لاثانی دوست پر ایسا شک کرنے لگا؟''

پریما کے چہرہ پر محبت کا جیسا گہرا رنگ اس وقت نظر آیا ویسا اور پہلے دان ناتھ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ کچھ ویسا ہی فخر آگیں سرور تھا جیسا ماں کو دو برگشتہ دل بھائیوں کی کدورت رفع ہو جانے سے ہوتا ہے۔ بولی ''امرت رائے کی بھی تو غلطی تھی کہ انہوں نے تم سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ کبھی کبھی باہم ملاقات ہوتی رہتی تو ایسی بدگمانی کیوں پیدا ہوتی؟ کھیت میں ہل نہ چلنے ہی سے تو گھاس اگ آتی ہے۔''

''نہیں ان کی غلطی نہیں۔ یہ سراسر میرا قصور تھا۔ میں جلد ہی اس کی تلافی کروں گا۔

میں ایک جلسہ میں ساری باتیں طشت از بام کردوں گا۔ ان دغا بازوں کی قلعی کھول دوں گا۔''

''قلعی تو کافی طور پر کھل گئی۔ اب اسے کھولنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت ہے۔ کم از کم اپنی آبرو بچانے کے لیے اس کی بڑی ضرورت ہے۔ میں عوام پر ظاہر کردوں گا کہ ان عیاروں سے میرا میل جول کس ڈھنگ کا تھا۔ اس موقع پر خاموش رہ جانا میرے لیے مضر ہوگا۔ اف مجھے کتنا بڑا دھوکا ہوا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ مجھ میں آدمیوں کے پرکھنے کی سکت نہیں ہے لیکن اب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ میں جتنا جانی دوست ہو سکتا ہوں' اتنا ہی جانی دشمن بھی ہو سکتا ہوں۔ جس وقت کملا پرشاد نے اس بے کس بیوہ پر بدنگاہی کی' اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ضرور گولی ماردیتا۔ ذرا اس بدمعاش کو تو دیکھو کہ بیچاری کو اس باغیچہ میں لے گیا جہاں دن کو بھی آدھی رات کا سناٹا رہتا ہے۔ بہت ہی اچھا ہوا اور اس سے بھی اچھا ہوتا اگر اس نے پاجی کو جان سے مار ڈالا ہوتا۔ مجھے اب اس سے عقیدت ہو گئی ہے' جی چاہتا ہے کہ جا کر اس کے درشن کروں مگر ابھی نہ جاؤں گا۔ سب سے پہلے ان بگلا بھگت جی کی خبر لینی ہے۔''

پریما نے شوہر کو عقیدت مندانہ نگاہوں سے دیکھا۔ ان کا دل اس قدر پاک ہے' یہ آج تک وہ نہ سمجھی تھی۔ اب تک اس نے ان کا جو پہلو دیکھا تھا' وہ ایک احسان فراموش' حاسد' کوتاہ اندیش اور بدذات شخص کا تھا۔ اگر یہ بات دیکھ کر بھی وہ دان ناتھ کی عزت کرتی تھی تو اس کی وجہ وہ محبت تھی جو دان ناتھ کو اس کے ساتھ تھی۔ آج اس نے ان کی صاف باطنی کا منور جلوہ دیکھا۔ کتنا سچا پچھتاوا' کتنا پاک غصہ اور ایک عورت کی کتنی توقیر!

اس نے کمرہ کے دروازہ پر آ کر کہا۔ ''میں تو سمجھتی ہوں کہ اس وقت تمہارا چپ رہ جانا ہی بہتر ہے۔ کچھ دنوں تک لوگ تمہیں بدنام کریں گے مگر آخر میں وہ تمہاری عزت کریں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم نے بھیاجی کی مخالفت کی تو والد صاحب کو بہت رنج ہوگا۔''

پریما نے احسان مندانہ نگاہوں سے دیکھا۔ گلا بھر آیا' منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ شوہر کے اس ترک نے اسے سرمست بنا دیا۔ اس کے ایک اشارے پر تو ہیں وہ جو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو کر دان ناتھ نے آج اس کے دل پر اختیار پا لیا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولی مگر اس کا ایک ایک رواں شوہر کو آشیرباد دے رہا تھا۔

صرف ترک وغنا ہی وہ طاقت ہے جو دل پر فتح حاصل کر سکتی ہے۔

شہر میں گھر گھر' گلی کوچے' جہاں دیکھیے یہی تذکرہ تھا۔ اسی سلسلہ میں بابو دان ناتھ کا نام بھی لوگوں کی زبان پر آ جاتا تھا۔ جو شخص کملا پرشاد کی ناک کا بال اور آٹھوں پہر کا ساتھ ہو' اس کے چال چلن کی جانچ سخت اصولوں کے مطابق نہ کی جا سکتی تھی۔ ایسے لوگ عموماً بد چلن ہوتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کچھ دنوں اور پہلے اگر کملا پرشاد کے بارے میں ایسا ذکر ہوتا تو کوئی اس پر دھیان بھی نہ دیتا ایسے صدہا واقعات روز ہی ہوتے رہتے ہیں' کوئی پروا بھی نہیں کرتا۔ لیڈروں کی جماعت میں آ جانے کے بعد ہماری باضابطہ جانچ ہونے لگتی ہے۔ لیڈروں کے اطوار واخلاق سبھی پر رائے زنی ہونے لگتی ہے۔ کملا پرشاد ابھی تک لیڈروں کے اس درجہ میں نہ آیا تھا۔ اس کا جو کچھ وار اور اثر تھا' وہ دان ناتھ جیسے عالم' ذکی اور نیک شعار شخص کے میل جول کے سبب تھا۔ وہ پودا نہ تھا جو زمین سے نوونما پاتا ہے بلکہ بیل کی طرح درختوں پر پھیلنے والا شخص تھا۔ اس میں جو کچھ نور تھا وہ محض عکس تھا۔ بس اس کے اعمال کی ذمہ داری بہت حد تک اس کے دوستوں ہی پر ڈالی جا سکتی ہے اور دان ناتھ پر اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار اور دوست ہونے کے سبب اس ذمہ داری کا سب سے زیادہ بار تھا۔ اجی یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ یہ بات زبان پر آئے یا نہ آئے مگر سب کے دل میں ضرور تھی۔

دو چار روز بعد زاویہ نظر میں ایک عجیب تبدیلی ہوئی۔ کچھ اس طرح کی رائے زنی ہونے لگی۔

"کملا بابو کا قصور نہیں' سیدھے سادے آدمی ہیں۔ ڈور تو دوسروں ہی کے ہاتھوں میں

تھی جوٹی کی آڑ سے شکار کھیلتے ہیں۔ اس غریب کو الو بنا کر خود مزے اڑاتے تھے۔ پھنستے تو احمق ہی ہیں، کھلاڑی تو پہلے ہی کود پھاند کر نکل جاتے ہیں۔'' سارا کالکھ دانو کے چہرہ پر لگ گیا۔

دان ناتھ کو وقعی مکان سے نکلنا مشکل ہو گیا۔ وہی لوگ جو اس کے سامنے ادب سے سر جھکاتے تھے، اب انہیں آتا دیکھ کر کترا جاتے تھے۔ جو ان کو پلیٹ فارم پر جاتا دیکھ کر مسرت کے نعروں سے ساری فضا کو معمور کر دیتے تھے۔ اب ان کا مضحکہ اڑاتے تھے، ان پر طعنوں کی بوچھاڑ کرتے تھے کالج کے طلبہ میں بھی تنقید ہونے لگی تھی۔ انہیں دیکھ کر آپس میں نگاہیں ملائی جاتی تھیں۔ درجہ میں ان سے مضحکہ خیز سوالات کیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز برآمد میں کئی لڑکوں کے سامنے چلتے چلتے دفعتاً انہوں نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو ایک لڑکے کو ہاتھ کو چونچ بنائے ہوئے پایا۔ لڑکے نے فوراً ہاتھ نیچا کر لیا اور کچھ شرمندہ بھی ہو گیا مگر دان ناتھ کو ایسا صدمہ ہوا کہ ان کا اپنے کمرے تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ کمرے میں جا کر وہ نیم غشی کی حالت میں کرسی پر گر پڑے۔ اب وہ ایک لمحہ بھی وہاں نہ رہ سکتے تھے۔ اسی وقت رخصت کے لیے درخواست لکھی اور گھر چلے گئے۔ پریما نے ان کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔ ''مزاج کیسا ہے؟ آج جلد کیسے چھٹی ہو گئی؟''

دان ناتھ نے بے پروائی سے کہا۔ ''چھٹی نہیں ہوئی، سر میں کچھ درد تھا بس چلا آیا۔''

ایک لمحہ کے بعد پھر بولے۔ ''میں نے آج سے رخصت لے لی ہے۔ چند روز آرام کروں گا۔''

پریما نے ہاتھ منہ دھونے کے لیے پانی لا کر رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو کب سے چلا رہی ہوں کہ کچھ دنوں کی رخصت لے کر پہاڑوں کی سیر کرو، دن بدن گھلے جاتے ہو۔ آب و ہوا کی تبدیلی سے ضرور نفع ہو گا۔''

دان: تم تو چلتی ہی نہیں۔ مجھے تنہا جانے کو کہتی ہو۔

پریما: میرا جانا مشکل ہے، خرچ کتنا بڑھ جائے گا۔ پھر میں تو بھلی چنگی ہوں۔ جس

کے لیے اپنا مکان ہی پہاڑ ہو رہا ہو وہ پہاڑ پر کیا کرنے جائے؟

دان: تو مجھے ہی کیا ہوا ہے؟ اچھا خاصا گینڈا بنا ہوا ہوں۔ اتنا موٹا تو میں کبھی نہ تھا۔

پریما: ذرا آئینے میں صورت تو دیکھو۔

دان: صورت تو کم از کم سو مرتبہ روزانہ دیکھتا ہوں' مجھے تو کوئی فرق نہیں نظر آتا۔

پریما: نہیں دل لگی نہیں' تم ادھر بہت دبلے ہو گئے ہو۔ تمہیں خود ہی کمزوری محسوس ہوئی ہو گی ورنہ تم بھلا رخصت لیتے۔ چھٹیوں میں تو تم سے کالج گئے بغیر نہیں رہا جاتا۔ پھر تم رخصت کب لینے والے تھے۔ تین مہینہ تم کوئی کام نہ کرو' نہ پڑھو' نہ لکھو۔ بس خوب گھومو اور آرام کرو۔ ان تین مہینوں کے لیے مجھے اپنا ڈاکٹر بنا لو۔ میں تمہیں جس طرح رکھوں اسی طرح رہو۔

دان: نا بھیا تم مجھے کھلا کھلا کر کوتل بنا دو گی۔

پریما سے آج تک دان ناتھ نے ایک مرتبہ بھی اپنی بدنامی کا ذکر نہ کیا تھا۔ جب ایک دفعہ طے کر لیا کہ اپنی عزت و نیک نامی کو اس کی مرضی پر قربان کر دیں گے تو پھر اس سے اپنی دلی خواہش کا ذکر کیا کرتے؟ اندر ہی اندر گھٹتے رہتے تھے۔ دنیاوی شہرت کے عموماً سبھی لوگ خواہشمند ہوتے ہیں' دان کی زندگی کا یہی تو سہارا تھی۔ بدنام ہو کر جینے سے مر جانا ان کے لیے کہیں بہتر تھا۔ عزت و وقار کا جو محل انہوں نے برسوں میں کھڑا کیا تھا وہ پرائی آگ سے جل کر خاک سیاہ ہو گیا تھا۔ اس محل کی تعمیر وہ دو چار الفاظ کے ذریعہ پھر کر سکتے تھے۔ صرف ایک تقریر کسی جادوگر کے منتر کی طرح اس تودۂ خاک کو نئی تعمیر کی شکل میں منتقل کر سکتی تھی مگر ان کی زبان بند تھی۔ لوگوں سے ملنا جلنا پیشتر ہی سے بند ہو گیا تھا' اب انہوں نے باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا۔ دن بھر پڑے پڑے کچھ پڑھا یا سوچا کرتے۔ دل کی فکر و تشویش انہیں اندر ہی اندر گھلائے ڈالتی تھی۔ پریما کے بہت اصرار پر باہر نکلتے بھی تو اس وقت جب اندھیرا ہو جاتا۔ کسی پہچان والے کی شکل دیکھتے ہی ان کی جان نکل سی جاتی تھی۔

ایک روز سمترا آئی ۔ بہت خوش تھی ۔ پریما نے پوچھا ''اب تو بھیا سے لڑائی نہیں ہوتی؟'' سمترا ہنس کر بولی ''اب ٹھیک ہو گئے ۔ بدنامی ہوئی تو کیا مگر ٹھیک راستہ پر آ گئے ۔ اب سیر تماشا بند ہے ۔ مکان سے نکلتے ہی نہیں ۔ لالہ جی سے تو بول چال بند ہی ہے ۔ اماں جی بھی بہت کم بولتی ہیں ۔ بس اپنے کمرے میں پڑے رہتے ہیں ۔ اب تو جو کچھ ہوں میں ہوں ۔ میں ہی ان کے دل و جان کی مالکہ اور ان کی زندگی کے لیے امرت ہوں ۔ روز نئے نئے لقب بنائے جاتے ہیں ۔ نئے نئے نام دیئے جاتے ہیں ۔ میرا تو اب جی اکتا جاتا ہے ۔ پہلے یہ خواہش رہتی تھی کے یہ میرے پاس بیٹھے رہیں ۔ اب یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں ۔ جب محبت جتانے لگتے ہیں تو جھنجھلا اٹھتی ہوں مگر پھر بھی پیشتر سے کہیں بہتر حالت میں ہوں ۔ کم از کم یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ میری چیز کسی اور کو مل رہی ہے ۔ آئندہ کے لیے بھی اب یہ اندیشہ رہے گا ۔ دیہات جانے کا حکم ہو گیا ہے ۔''

پریما نے پوچھا ''کون کون جائے گا؟''

سمترا: بس ہمیں دونوں، دراصل لالہ جی انہیں یہاں سے ہٹا دینا چاہتے ہیں مگر یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ وہ دیہات میں تنہا جا کر رہیں ۔ میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا ہے ۔ دو چار روز میں چلے جائیں گے ۔ وہ تم سے ملنا تو چاہتے ہیں مگر شرم کی وجہ سے نہ وہ یہاں آتے ہیں اور نہ تمہیں بلاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ میں ان کے سامنے کیسے تاک سکوں گا؟

پریما: اسی شرم کے خیال سے تو میں بھی نہیں گئی ۔ بھیا پچھتاتے ہوں گے ۔

سمترا: پچھتاتے ہی نہیں، روتے ہیں ۔ جیسے کوئی لڑکی مائکے سے رخصت ہوتے وقت روتی ہے ۔ ہمیشہ کے لیے سبق مل گیا ۔ میں تو پورنا کو پاؤں تو پاؤں دھو دھو کر پیوں ۔ واقعی ہے بڑی ہمت کی عورت! ایک مرتبہ اس سے جا کر مل کیوں نہیں آتیں ۔

یکا یک دان ناتھ ہاتھ میں ایک خط لیے دوڑے ہوئے آئے اور کچھ کہنا چاہتے تھے

کے سمترا کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ پھر شرماتے ہوئے بولے ''سمترا دیوی کب آئیں؟ مجھے تو خبر ہی نہیں ہوئی۔''

سمترا نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ نے جانا آنا ترک کر دیا مگر ہم تو ویسا نہیں کر سکتے۔''

دان ناتھ کچھ جواب دینے ہی کو تھے کہ پریما نے ان کی شکل سے ان کے دل کی بات تاڑ کر کہا۔ ''جانا آنا بھلا کہاں چھوٹ سکتا ہے بہن؟ ان کا جی ہی اچھا نہیں رہا۔''

سمترا: ہاں دیکھ تو رہی ہوں، آدھے بھی نہیں رہے۔

دان ناتھ نے پریما کو خط دکھلا کر کہا۔ ''یہ دیکھو امرت رائے کا ایک مضمون ہے۔''

پریما نے لپک کر خط لے لیا مگر کچھ سنبھل کر بولی۔ ''کس بات پر ہے؟ وہ تو مضمون نہیں لکھتے۔''

دان: پڑھ لو نا۔

پریما: پڑھ لوں گی مگر ہے کیا؟ وہی ودھوا آشرم کے بارے میں کچھ لکھا ہو گا۔

دان: مجھے گالیاں دی ہیں۔

پریما کو گویا بچھو نے ڈنک مار دیا ہے۔ بے اعتباری کے طریقہ پر بولی۔ ''تمہیں گالیاں دی ہیں؟ تمہیں! میں انہیں اس سے بہت زیادہ سمجھتی ہوں۔''

دان: میں نے گالیاں دی ہیں تو وہ کیوں چپ رہتے؟

پریما: تم نے گالیاں نہیں دیں، رایوں میں اختلاف ہونا گالی نہیں ہے۔

دان: کسی کو گالی دینے ہی میں لطف آئے تو؟

پریما: تو میں ایک ایک کی سو سو سناؤں گی۔ میں انہیں اتنا کمینہ نہیں سمجھتی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ بھی ہماری ہی طرح کمزوریوں میں بھرے ہوئے انسان ہیں۔

دان: ایسی چن چن کر گالیاں ایجاد کی ہیں کہ میں تو دنگ رہ گیا۔

پریما: اب اس بات کا ذکر ہی نہ کرو، مجھے رنج ہوتا ہے۔

دان ناتھ نے مسکرا کر کہا۔ ''ذرا پڑھ تو لو پھر بتلاؤ کہ اس پر کیا کاروائی کی جائے۔ جا

کر پٹک دوں یا کھوپڑی سہلاؤں؟''

پریما تمہیں تو مذاق سوجھا ہے اور مجھے غصہ آرہا ہے۔ جی چاہتا ہے اسی وقت جا کر کہہ دوں کہ تم اب میری نظر سے گر گئے اور لوگ چاہے تم سے خوش ہوئے ہوں' اس چال سے چاہے تمہیں چندے مل جائیں مگر میری نگاہوں میں تم نے اپنی عزت کھودی۔

دان: تو چلو میں اور تم دونوں ساتھ چلیں۔ تم زبان کا تیر چلانا' میں اپنے ہاتھوں کی صفائی دکھاؤں گا۔

سمترا: پہلے مضمون تو پڑھ لو۔ گالیاں دی ہوتیں تو لالہ یوں باتیں نہ کرتے۔ امرت رائے ایسا آدمی ہی نہیں ہے۔

پریما نے سہمی ہوئی آنکھوں سے مضمون کا عنوان دیکھا۔ پہلا جملہ پڑھا تو چڑھے ہوئے تیور ڈھل گئے دوسرا جملہ پڑھتے ہی وہ خط پر زیادہ جھک گئی۔ تیسے جملہ پر اس کا غصہ بھرا چہرہ بحال ہونے لگا۔ چوتھے جملہ پر اس کے ہونٹوں پر تبسم نمایاں ہوا اور پیرا گراف کے ختم ہوتے ہوتے اس کا سارا بدن کھل اٹھا۔ پھر ایسا معلوم ہوا گویا وہ ہوائی جہاز پر اڑی جارہی تھی۔ سارے حواس میں تازگی آگئی تھی۔ مضمون کے تینوں پیراگرافوں کوختم کر کے اس نے اس طرح سانس لی گویا وہ کسی مشکل امتحان سے نکل آئی۔

دان ناتھ نے پوچھا۔''پڑھ لیا؟ مار کھانے کا کام کیا ہے نا؟ چلتی ہو تو چلو' میں جا رہا ہوں۔''

پریما نے خط کو تہہ کرتے ہوئے کہا۔''تم جاؤ میں نہ جاؤں گی۔''

دان: آج مجھے معلوم ہوا کہ دنیا میں میرا کوئی سچا دوست ہے تو یہی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ سخت ناانصافی کی' آج معافی مانگوں گا۔ سچے دل سے معافی مانگوں گا۔

پریما: اگر آج نہ جاؤ تو بہتر ہے۔ وہ سمجھیں گے کے خوشامد کرنے آئے ہیں۔

دان: نہیں پیاری اب دل نہیں مانتا' ان کے گلے سے لپٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے۔

یہ کہتے ہوئے دان ناتھ باہر چلے گئے۔ سمترا بھی بوڑھی اماں کے پاس جا بیٹھی۔ پریما

کی تعریف سنے بغیر اسے چین کہاں؟ پریما نے اسی مضمون کو دوبارہ پڑھا۔ پھر جا کر پلنگ پر لیٹ رہی' اس مضمون کا ایک ایک لفظ اس کے پردۂ نظر پر نقش تھا۔ دل میں ایسے ایسے خیالات آرہے تھے جن کو وہ نہ آنے دینا چاہتی تھی۔

پھر اس کے خیالات نے ایک عجیب صورت اختیار کی۔ امرت رائے نے یہ مضمون کیوں لکھا؟ انہوں نے اگر دان ناتھ کو فی الحقیقت گالیاں دی ہوتیں تو خواہ ایک لمحہ کے لیے اس کو ان پر غصہ آتا مگر غالباً اس کا دل زیادہ مضطرب نہ ہوتا۔

دفعتاً اس نے خط کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور ان ٹکڑوں کو دریچہ کے باہر پھینک دیا۔ جو پرچڑیا کو جال کے نیچے بکھرے ہوئے دانے کی طرف لے جائیں ان کا اکھڑ جانا ہی اچھا!

## (14)

دان ناتھ جب امرت رائے کے بنگلے کے قریب پہنچے تو دفعتاً ان کے پیر رک گئے۔ احاطہ کے اندر جاتے ہوئے انہیں شرم معلوم ہوئی۔ امرت رائے اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ انہیں یہی خیال ہوگا کہ جب چاروں طرف ٹھوکریں کھا چکے اور کسی نے ساتھ نہ دیا تو یہاں دوڑے آئے ہیں۔ وہ اسی سوچ میں پھاٹک پر کھڑے ہوئے تھے کہ امرت رائے کا بوڑھا نوکر اندر سے آتا دکھائی دیا۔ دان کے لیے اب وہاں کھڑا رہنا ناممکن تھا' پھاٹک میں داخل ہوئے۔ بوڑھا انہیں دیکھتے ہی جھک کر سلام کرتا ہوا بولا۔

''آؤ بھیا' بہت دنن ماں سدھ لیہو' بابو روز تمہارا چرچا کر کے پچھتات رہے' تم کا دکھ کے پھولے نہ سمہیں۔ مجے ماں تو رہیو؟ جائے کے بابو سے کہہ دیئی''

یہ کہتا ہوا وہ الٹے پاؤں بنگلے کی طرف چلا۔ دان ناتھ بھی جھینپتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ ابھی وہ برآمدے میں بھی نہ پہنچ پائے تھے کہ امرت رائے اندر سے نکل آئے اور دوڑ کر خوب گلے ملے۔

دان ناتھ نے کہا ''تم مجھ سے بہت ناراض ہو گئے؟''

امرت رائے نے دوسری طرف تاکتے ہوئے کہا۔ ''یہ نہ پوچھو دانو' کبھی تمہارے اوپر غصہ آیا ہے' کبھی رحم۔ کبھی افسوس ہوا ہے کبھی تعجب۔ کبھی اپنے اوپر غصہ آیا آیا ہے کبھی رحم کبھی افسوس ہوا ہے' انسان کا دل کتنا پیچیدہ ہے' اس کا سبق مل گیا۔ تمہیں اس وقت یہاں دیکھ کر بھی مجھے اتنی خوشی نہیں جتنی ہونی چاہئے تھی۔ ممکن ہے کہ یہ بھی تمہارا عارضی جذبہ ہو۔ ہاں تمہارے اخلاق پر مجھے کبھی شبہ نہیں ہوا۔ روزمرہ طرح طرح کی باتیں سنتا تھا مگر ایک لمحہ کے لیے بھی میرا دل ڈانوں ڈول نہیں ہوا۔ یہ تم نے کیا حماقت کی کہ کالج سے رخصت لے لی۔ رخصت منسوخ کرالو اور کل سے کالج جانا شروع کرو۔''

دان ناتھ نے اس بات کا کوئی جواب نے دے کر کہا۔ ''تم نے کوئی انوکھی بات نہیں کی۔ جب تھوڑی دولت پا کر لوگ کو دکو بھول جاتے ہیں' تم پریما جیسی مجسم لکشمی کو پا کر کیوں نہ آپے سے باہر ہو جاتے۔''

دان ناتھ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہی تو میں نے سب سے بڑی غلطی کی' میں پریما کے قابل نہ تھا۔''

امرت: جہاں تک میں سمجھتا ہوں' پریما نے تمہیں شکایت کا کوئی موقع نہ دیا ہوگا۔

دان: کبھی نہیں۔ لیکن نہ جانے کیوں شادی ہوتے ہی شکی ہو گیا۔ مجھے بات بات پر شک ہوتا تھا کہ پریما دل میں مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے اسے جلانے اور رلانے کے لیے ہی تمہاری ہجو شروع کی۔ میرا دل تمہاری طرف سے ہمیشہ صاف رہا۔

امرت: مگر تمہاری یہ چال الٹی پڑی' کیوں؟ کسی ہوشیار آدمی سے صلاح کیوں نہ لی؟ تم میرے یہاں متواتر ایک ہفتہ دس گیارہ بجے تک بیٹھتے اور میری تعریفوں کے پل باندھ دیتے تو پریما کو میرے نام سے چڑ ہو جاتی' مجھے یقین ہے۔

دان: میں نے تم پر چندے کے روپے ہضم کرنے کا الزام لگایا۔ حالانکہ میں قسم کھانے کو تیار تھا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔

امرت: میں جانتا تھا۔

دان: مجھے تمہارے اوپر یہاں تک حملہ کرنے میں تامل نہ ہوا کہ........

امرت: اچھا' چپ رہو بھئی۔ جو کچھ کیا اچھا کیا۔ اتنا میں تب بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی مجھ پر وار کرتا تو تم پہلے سینہ کھول کر کھڑے ہو جاتے چلو تمہیں آشرم کی سیر کرالاؤں۔

دان: چلوں گا مگر میں چاہتا ہوں کہ پہلے تم میرے دونوں کان پکڑ کر خوب زور سے کھینچو اور پھر دو چار طمانچے زور زور سے لگاؤ۔

امرت: اس وقت نہیں مگر پہلے کئی بار جب تم نے شرارت کی تو ایسا غصہ آیا کہ گولی مار دوں لیکن پھر یہی خیال آ جاتا تھا کہ اتنی برائیوں پر بھی تم اوروں سے بہتر ہو۔ آؤ چلو تمہیں آشرم کی سیر کراؤں۔ تنقیدی نظر سے دیکھنا۔ جو بات تمہیں کھٹکے' جہاں اصلاح کی ضرورت ہو' فوراً مطلع کرنا۔

دان: پورنا بھی تو یہیں آ گئی ہے۔ اس نے اس بارے میں کچھ اور باتیں کیں؟

امرت: اجی اس کی نہ پوچھو' عجیب عورت ہے۔ اتنے روز آئے ہو گئے مگر ابھی تک رونا دھونا بند نہیں ہوا۔ اپنے کمرے سے نکلتی ہی نہیں۔ میں خود کئی مرتبہ گیا' کہا جو کام بہترین معلوم ہو اسی کو اپنے ذمہ لو مگر اس کے منہ سے تو ہاں' نہیں' کچھ نکلتی ہی نہیں۔ عورتوں سے بھی نہیں بولتی' کھانا دوسرے تیسرے وقت بہت کہنے سننے سے کھا لیا۔ بس منہ ڈھانکے پڑی رہتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دیگر عورتیں اس کی عزت کریں۔ میں اس کو کوئی اختیار دے دوں۔ کسی طرح اس پر روشن ہو جائے کہ ایک شہدے کی شرارت نے اس کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔ اس کی عزت جتنی پہلے تھی اتنی ہی اب بھی ہے مگر وہ کچھ ہونے نہیں دیتی۔ تمہارا تو اس سے تعارف ہے نا؟

دان: بس ایک مرتبہ پریما کے ساتھ بیٹھا دیکھا ہے' اس سے زیادہ نہیں۔

امرت: پریما ہی اسے ٹھیک کرے گی۔ جب دونوں گلے مل لیں گی اور پورنا اس سے اپنا سارا ماجرا بیان کر دے گی تب اس کے دل کو قرار آ جائے گا۔ اس کی شادی کرنے کی خواہش ہو تو ایک سے ایک بڑھ کر دولت و ثروت والے لوگ مل سکتے ہیں۔ دو چار آدمی تو

مجھ سے کہہ چکے ہیں مگر میں پورنا سے کہتے ہوئے خوف کھاتا ہوں کہ مبادا برا مان جائے، پریما اس کو ٹھیک کرے گی۔ میں نے اگر مجرد رہنے کا تہیہ نہ کر لیا ہوتا اور وہ ذات پات کے قیود توڑنے پر تیار ہو جاتی تو میں بھی امیدواروں میں ہوتا۔

دان: اس کے خوب سورت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔

امرت: مجھے تو اچھے اچھے گھروں میں بھی ایسی حسین عورتیں نہیں دکھائی دیتیں۔

دان: یار تم رتیھے ہوئے ہو، پھر کیوں نہیں بیاہ کر لیتے؟ مجرد رہنے کا خیال ترک کر دو۔ بڑھاپے میں عاقبت کی فکر کر لینا۔ میں نے بھی تو یہی نقشہ تیار کر لیا ہے۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کی شادی کو لوگ کیوں رفاہ عامہ کی زندگی کے لیے خلل آگیں سمجھتے ہیں۔ اگر عیسیٰ شنکر اور دیانند بے بیاہے ہوئے تھے تو رام، کرشن، شیو اور وشنو خانہ داری کی بندشوں مبتلا تھے۔

امرت رائے نے ہنس کر کہا "لیکچر پورا کر و نا، ابھی کچھ دن ہوئے کہ آپ برہچریہ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اسی کو انسانی زندگی کا ارتقائے کامل کہتے تھے اور آج آپ بیاہ کے وکیل بنے ہوئے ہیں۔ قسم اچھی پا گئے نا۔

دان ناتھ نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ "میں نے کبھی غیر متاہلانہ زندگی کو معیارانہ نہیں خیال کیا۔ وہ معیارانہ ہو ہی کیسے سکتی ہے۔ غیر قدرتی امر کبھی معیار نہیں بن سکتا۔"

امرت: اچھا بھئی میں ہی غلطی پر ہوں۔ چلتے ہو کہیں؟ ہاں آج تمہیں شام تک یہاں رہنا پڑے گا۔ کھانا تیار ہو رہا ہے۔ کھا پی کر ذرا لیٹیں گے۔ خوب گپ شپ کریں گے۔ پھر شام کو دریا میں بجرے کی سواری کا لطف اٹھائیں گے۔ وہاں سے لوٹ کر پھر کھانا کھائیں گے اور تب تمہیں فراغت مل جائے گی۔ ایشور نے چاہا تو آج ہی پریما دیوی مجھے کوسنے لگیں گی۔

دونوں دوست آشرم کی سیر کو چلے۔ امرت رائے نے دریا کے کنارے کسی سنگم کے نزدیک پچاس ایکڑ زمین لے لی تھی۔ وہیں وہ رہتے بھی تھے۔ اپنا چھاؤنی والا بنگلہ

فروخت کر ڈالا تھا۔ آشرم ہی کے احاطہ میں ایک چھوٹا سا مکان اپنے لیے بنوالیا تھا۔ آشرم کے دروازہ کے دونوں بازوؤں پر دو بڑے بڑے کمرے تھے۔ ایک میں آشرم کا دفتر تھا اور دوسرا آشرم کی چیزوں کی نمائش کا کمرہ' دفتر میں ایک ادھیڑ عورت بیٹھی ہوئی لکھ رہی تھی۔ رجسٹر وغیرہ قرینے سے الماریوں میں چنے ہوئے رکھے تھے۔ وہاں اس وقت اسی عورتیں تھیں اور بیس لڑکے۔ ان کی حاضری درج تھی۔ نمائش کے کمرے میں سوت' اون' ریشم' سلمہ ستارے' مونج وغیرہ کے خوش نما بیل بوٹے دراشیا شیشے کے دروازوں میں رکھی ہوئی تھیں۔ سلے ہوئے کپڑے بھی الگنیوں پر لٹک رہے تھے۔ مٹی اور لکڑی کے کھلونے' موزے' بنیائن عورتوں ہی کی بنائی ہوئی تصویریں علیحدہ علیحدہ سجی ہوئی تھیں۔ ایک الماری میں آشرم کی بنی ہوئی طرح طرح کی مٹھائیاں چنی ہوئی تھیں۔ آشرم میں اگے ہوئے پودے گملوں میں لگے ہوئے تھے۔ کئی تماشائی اس وقت بھی ان چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ بکری بھی ہو رہی تھی۔ دو عورتیں گاہکوں کو چیزیں دکھلا رہی تھیں۔ یہاں کی روزانہ بکری تقریباً سو روپیہ تھی۔ معلوم ہوا کہ شام کے وقت گاہک زیادہ آتے ہیں۔

اب دونوں آدمی اندر داخل ہوئے۔ ایک وسیع مربع صحن تھا جس کے چاروں طرف برآمدہ تھا۔ برآمدہ ہی میں کمرے کے دروازے تھے۔ دوسیر منزل بھی اسی نمونہ کی تھی۔ زیریں حصہ میں دفتر تھا۔ بالائی حصہ میں عورتیں رہتی تھیں۔ کہیں موزے' گلوبند وغیرہ بنے جا رہے تھے۔ کئی عورتیں زمین کھود رہی تھیں' کئی آبیاری کر رہی تھیں۔ چاروں طرف چہل پہل تھی۔ کہیں سستی' کم حوصلگی' شکر رنجی کا نام نہ تھا۔

دان ناتھ نے پوچھا۔ ''اتنی ہوشیار عورتیں تمہیں کہاں سے مل گئیں؟''

امرت: کچھ دیگر صوبہ جات سے بلائی گئی ہیں' کچھ تیار کی گئی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو روزمرہ باقاعدہ طور پر آ کر تعلیم دیتی ہیں اور چار بجے واپس جاتی ہیں۔ جج صاحب مسٹر جوشی کی بیوی مصوری میں ماہر ہیں۔ وہ آٹھ عورتوں کے ایک درجہ کو دو گھنٹے روزانہ پڑھانے کے لیے آیا کرتی ہیں۔ مسز سکینہ سلائی کے کام میں ہوشیار ہیں۔ وہ عموماً تمام

دن یہیں رہتی ہیں۔ تین عورتیں پاٹھ شالہ میں کام کرتی ہیں۔ پہلے مجھے شک ہوتا تھا کہ شریف گھرانے کی عورتیں اپنا وقت یہاں کیوں دینے لگیں لیکن اب اس امر کا تجربہ ہو رہا ہے کہ ان میں خدمت گزاری کا حوصلہ مردوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے۔ پردہ کا تو یہاں قطعی ذکر نہیں ہے۔ چلو باغیچہ کی طرف چلیں۔ اس کا انتظام پورنا کو سپرد کیا گیا ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہاں اس کو تفریح طبع کے لیے کافی سامان ملے گا اور کھلی ہوا میں کچھ دیر کام کرنے سے اس کی صحت بھی ٹھیک ہو جائے گی۔

باغیچہ بہت بڑا نہ تھا۔ آم' امرود' لیچی وغیرہ کی قلمیں لگائی جا رہی تھیں۔ پھولوں کے پودے تیار ہو گئے تھے۔ درمیان میں ایک حوض تھا اور تین چھوٹی لڑکیاں حوض سے پانی نکال کر کیاریوں کو سینچ رہی تھیں۔ حوض تک جانے کے لیے چاروں طرف چار روشیں بنی ہوئی تھیں اور ہر ایک روش پر بیلوں سے منڈھے ہوئے بانس کے چھوٹے چھوٹے پھاٹک تھے۔ اس کے سائے میں سنگی بنچیں رکھی ہوئی تھیں۔ پورنا انہیں بنچوں میں سے ایک پر سر جھکائے بیٹھی پھولوں کا ایک گلدستہ تیار کر رہی تھی' کس کے لیے؟ یہ کون جان سکتا ہے؟ دونوں دوستوں کی آہٹ پا کر پورنا اٹھ کھڑی ہوئی' اس نے گلدستے کو بنچ پر رکھ دیا۔

امرت رائے نے پوچھا۔ ''کیسی طبیعت ہے پورنا؟ یہ دیکھو دان ناتھ تم سے ملنے آئے ہیں' بڑے خواہشمند ہیں۔''

پورنا نے سر جھکائے ہی ہوئے دریافت کیا۔ ''پریما بہن تو بخیریت ہیں۔ ان سے کہہ دیجیے گا کہ کیا مجھے بھول گئیں یا منہ دیکھے ہی کی محبت تھی؟ خبر بھی نہ لی کہ مر گئی یا زندہ ہوں۔''

دان: وہ تو کئی بار تم سے ملنے کے لیے کہتی تھیں مگر پس و پیش کے سبب نہ آ سکیں۔ تم نے گلدستہ تو بہت عمدہ بنایا ہے۔

تینوں لڑکیاں ڈالی چھوڑ چھوڑ کر آ کھڑی ہوئی تھیں۔ یہاں جو تعریف تقسیم ہو رہی تھی اس سے وہ کیوں محروم رہتیں۔ ایک بول اٹھی ''دیوی جی نے پیپل کے پیڑ کے نیچے

ایک مندر بنایا ہے چلیے آپ کو دکھائیں۔''

پورنا: یہ جھوٹ بولتی ہے یہاں مندر کہاں ہے۔

لڑکی: بنایا تو ہے چلیے دکھادوں۔ وہیں روز گلدستے بنا بنا کر ٹھاکر جی پر چڑھاتی ہیں۔ روز گنگا جل بھی لاکر ٹھاکر جی پر چڑھاتی ہیں۔

امرت رائے نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''کہاں مندر بنا ہے؟ چلو دیکھیں۔''

تینوں لڑکیاں آگے آگے چلیں' ان کے پیچھے دونوں دوست تھے اور سب کے پیچھے پورنا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

دان ناتھ نے انگریزی میں کہا۔ ''بھگتی انسانوں کا آخری سہارا ہے۔''

امرت رائے بولے۔ ''اب مجھے یہاں ایک مندر تعمیر کرانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔''

باغ کے دوسرے سرے پر ایک پرانا درخت تھا۔ اسی کے نیچے تھوڑی زمین صاف کر کے پورنا نے ایک گھروندا سا بنالیا تھا۔ وہ پھول پتوں سے خوب آراستہ تھا۔ اسی گھروندے میں کیلے کے پتوں سے بنے ہوئے ایک سنگھاسن پر کشن کی ایک مورت رکھی ہوئی تھی۔ مورت وہی تھی جو بازار میں ایک ایک پیسے کی ملتی ہے مگر اوروں کے لیے وہ خواہ مٹی کی مورت ہو' پورنا کے لیے وہ ازلی حیات کا منبع' لازوال محبت کا مجسمہ' لاانتہا عقیدت کا خزانہ تھی۔ سنگھاسن کے سامنے چینی کے برتن میں ایک خوبصورت گلدستہ رکھا ہوا تھا۔ اس بے کس کی دلی عقیدت کا ایک نور سا وہاں پھیلا ہوا تھا۔ جس نے دونوں دہریوں کا سر بھی ایک لمحہ کے لیے خم کر دیا۔

امرت رائے ذرا دیر کسی خیال میں غرق رہے۔ دفعتاً وہ آبدیدہ ہو گئے۔ بھرے ہوئے گلے سے بولے۔ ''پورنا تمہاری بدولت آج ہم لوگوں کو بھی بھگتی کی ایک جھلک مل گئی۔ اب ہم روزانہ کرشن بھگوان کی زیارت کے لیے آیا کریں گے۔ ان کی پوجا کا کونسا وقت ہے؟''

پورنا کا چہرہ اس وقت ایک نا قابل بیان نور سے منور تھا اور اس کی آنکھیں عمیق و پر سکون رقت سے معمور تھیں۔ بولی۔ ''میری پوجا کا کوئی وقت نہیں ہے بابو جی۔ جب دل میں درد پیدا ہوتا ہے تو یہیں چلی آتی ہوں اور بھگوان کے چرنوں میں بیٹھ کر رو لیتی ہوں۔ کہہ نہیں سکتی بابو جی۔ جب دل میں درد پیدا ہوتا ہے تو یہیں چلی آتی ہوں اور بھگوان کے چرنوں میں بیٹھ کر رو لیتی ہوں۔ کہہ نہیں سکتی بابو جی کے اس طرح رو لینے سے میری کس قدر تشفی ہو جاتی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھگوان کرشن خود ہی میرے آنسو پونچھتے ہیں۔ مجھے اپنے چاروں طرف ایک پاکیزہ خوشبو اور روشنی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ان کا ہنستا اور کھلا ہوا چہرہ دیکھتے ہی میرے دل میں امید و مسرت کی لہریں سی اٹھنے لگتی ہیں۔ پریما بہن کبھی آئیں گی بابو جی؟ ان سے کہہ دیجیے گا کہ انہیں دیکھنے کے لیے میں بہت بے چین ہو رہی ہوں۔''

دان ناتھ نے تسکین دی کہ پریما کل ضرور آئے گی۔ دونوں دوست وہاں سے چلے تو دفعتاً تین کا گھنٹہ بجتا ہوا سنائی دیا۔ دان ناتھ نے چونک کر کہا۔ ''ارے تین بج گئے' اتنی جلد۔''

امرت: اور تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا' مجھے بھی یاد نہ رہا۔

دان: چلو اچھا ہوا تمہارا ایک وقت کا کھانا نہیں کھایا' مجھے بھی یاد نہ رہا۔

دان: چلو اچھا ہوا تمہارا ایک وقت کا کھانا بچ گیا۔

امرت: اجی' میں نے تمہاری دعوت کی بڑی تیاریاں کی تھیں' اتنا خرچ کیا گیا اور سوئیت نے خبر تک نہ دی۔

دان: ہاں صاحب! آپ کے پچاس روپیہ سے کم تو کبھی نہ بگڑے ہوں گے۔ اسے میں بغیر کھانا کھائے ہی ماننے کو تیار ہوں۔ ہے رسوئیا بھی چالاک' خوب تعلیم دی ہے۔

امرت: چالاک نہیں' پتھر! دس بجے کھلاتا تو دو چپاتیاں کھا کر اٹھ جاتے اور مجھے دعوت کرنے کا ستا جس مل جاتا۔ اب تو خوب بھوک لگی ہوئی ہے۔ تھالی پر پل پڑو گے۔ ادھر

تو یہ شکایت کہ دیر کی ادھر یہ نقصان کہ دونے کی خبر لوگے ۔ مجھ پر تو دوہری چپت پڑ گئی ۔

گھر جا کر امرت رائے نے رسوئیے کو خوب ڈانٹا۔ ’’تم نے کیوں اطلاع نہیں کی کہ کھانا تیار ہے؟‘‘

رسوئیے نے کہا۔ ’’سرکار بابو صاحب کے ساتھ آشرم میں تھے ۔ مجھے ڈر لگت تھا کہ آپ خفا نہ ہو جائیں ۔‘‘

بات ٹھیک تھی ۔ امرت رائے کئی دفعہ اپنے باورچی کو منع کر چکے تھے کہ میں جب کسی کے ساتھ رہا کروں تو سر پر مت سوار ہو جایا کرو۔ باورچی کا کوئی قصور نہ تھا۔ بیچارے بہت چرمائے ۔ کھانا آیا ہر دو احباب نے کھانا شروع کیا۔ کھانا بلا گوشت کا تھا لیکن بہت خوش ذائقہ۔

دان ناتھ نے چٹکی لی۔ ’’یہ کھانا تم جیسے برہمچاریوں کے لیے نہیں ہے۔ تمہارے لیے تو ایک کٹورا دودھ اور دو چپاتیاں کافی ہیں۔‘‘

امرت: کیوں بھئی؟

دان: تمہیں ذائقہ سے کیا واسطہ؟

امرت: جی نہیں میں ان برہمچاریوں میں نہیں ہوں ۔ مقوی اور لذیز غذا کو میں دل و دماغ کی صحت کے لیے ضروری سمجھتا ہوں۔ کمزور جسم میں تندرست قوت ارادی نہیں رہ سکتی ۔ تعریف تو یہ ہے کہ تم جاندار گھوڑے کو حسب خواہش دوڑا سکتے ہو۔ مریل گھوڑے پر سوار ہو کر اگر تم گرنے سے بچ ہی گئے تو کیا بڑا کام کیا؟

کھانا کھانے کے بعد دونوں دوستوں میں آشرم کے متعلق بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی ۔ آخر شام ہوئی اور دونوں گنگا کی سیر کو چلے ۔

شام کی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور بجرا ہلکی ہلکی لہروں پر تھرکتا ہوا چلا جاتا تھا۔ امرت رائے ڈنڈا لیے بجرے کو کھے رہے تھے اور دان ناتھ تختے پر پیر پھیلائے ہوئے تھے ۔ گنگا دیوی بھی طلائی زیور پہنے میٹھے راگوں میں گا رہی تھیں ۔ آشرم کی شاندار عمارت

آفتاب کی آخری برکت میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ دان ناتھ کچھ دیر لہروں سے کھیلنے کے بعد بولے۔ ’’آخر تم نے کیا تصفیہ کیا؟‘‘

امرت رائے نے پوچھا۔ ’’کس بارے میں؟‘‘

دان: یہی اپنی شادی کے بارے میں۔

امرت: میری شادی کی فکر میں تم کیوں پڑے ہو۔

دان: اجی تم نے عہد کیا تھا' یاد ہے۔ آخر اسے تو پورا کرو گے۔

امرت: میں اپنا عہد پورا کر چکا۔

دان: جھوٹے ہو۔

امرت: نہیں' سچ۔

دان: بالکل جھوٹ' تم نے اپنی شادی کب کی؟

امرت: کر چکا سچ کہتا ہوں۔

دان ناتھ نے مذاق سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ’’کیا کسی کو چپکے سے گھر میں ڈال لیا ہے؟

امرت: جی نہیں' خوب نقارہ بجا کر کیا اور بیوی بھی ایسی جس پر سارا **ملک** فریفتہ ہے۔

دان: اچھا تو کیا کوئی اپسرا ہے؟

امرت: جی ہاں' اپسراؤں سے بھی زیادہ حسین۔

دان: اب میرے ہاتھوں پٹو گے۔ صاف بتلاؤ کہ کب تک شادی کرنے کا ارادہ ہے؟

امرت: تم تو مانتے ہی نہیں تو میں کیا کروں؟ میری شادی ہو گئی ہے۔

دان: کہاں ہوئی؟

امرت: یہیں بنارس میں۔

دان: اور بیوی کیا آسمان میں ہے یا تمہارے دل میں؟

امرت: جی نہیں میرے' تمہارے اور دنیا کے سامنے۔

وان: میں نے تو نہیں دیکھا۔

امرت: ابھی دیکھے چلے آتے ہو اور اب بھی دیکھ رہے ہو؟

وان ناتھ نے سوچ کر کہا "کون ہے' پورنا تو نہیں؟"

امرت: پورنا کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔

وان: تو پھر کون ہے؟ تم نے مجھے کیوں نہ دکھلایا؟

امرت: گھنٹوں تک دکھاتا رہا۔ اب اور کیسے دکھاتا؟ اب بھی دکھا رہا ہوں۔ آشرم کی طرف اشارہ کرکے وہ دیکھو ایسی حسینہ تم نے اور کہیں دیکھی ہے۔ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' ایسی ایسی اور کئی جانیں اس پر قربان کر سکتا ہوں۔

وان ناتھ نے مطلب سمجھ کر کہا "اچھا اب سمجھا۔"

امرت: اس کے ساتھ میری زندگی بڑے مزے سے کٹ جائے گی۔ یہ زادواج واحد کے عہد کرنے کا وقت ہے' متعدد از دواج کے دن گئے۔

وان ناتھ نے متانت سے کہا۔ "اگر میں جانتا کہ تم عہد کو اس طرح پورا کرو گے تو میں پریما سے ہرگز شادی نہ کرتا۔ پھر دیکھتا کہ تم کیسے بچ کر نکل جاتے۔"

امرت رائے کے ہاتھ رک گئے۔ انہیں ڈنڈا چلانے کا ہوش نہ رہا۔ بولے "یہ تمہیں اسی وقت سمجھ لینا چاہئے تھا جب میں نے پریما کی پرستش چھوڑی۔ پریما سمجھ گئی تھی' چاہے پوچھ لینا۔"

زمین پر تاریکی پھیل رہی تھی اور بجرا لہروں پر تھرکتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اسی بجرے کی طرح امرت رائے کا دل متحرک ہو رہا تھا مگر وان ناتھ ساکت بیٹھے ہوئے تھے' گویا کوئی تیر لگ گیا ہو۔ دفعتاً انہوں نے کہا۔ "بھیا تم نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔"

اختتام